تجلیاتِ محدث اعظم
ہند کچھوچھوی قدس سرہ
تحریر
الحاج الشاہ سید محمد صاحب،
محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ
صدر آل انڈیا سنی کانفرنس
ناشر
پیر اشرفیت الحاج ڈاکٹر شاہ سید
محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی دامت برکاتہم العالیہ
(امیر عالمی حلقہ اشرفیہ۔ مسند نشین سلسلہ اشرفیہ پاکستان)

تجلیاتِ
محدث اعظم ہند کچھوچھوی قدس سرہٗ

ابوالمحامد حضرت سیّد محمد کچھوچھوی رحمتہ اللہ علیہ

الحاج ڈاکٹر شاہ سیّد **محمد مظاہر اشرف** الاشرفی الجیلانی مدظلہٗ

امیر۔ حلقہ اشرفیہ پاکستان (رجسٹرڈ)،

امیر۔ عالمی حلقہ اشرفیہ و مسند نشین سلسلۂ عالیہ اشرفیہ پاکستان

کتاب..................تجلیات محدث اعظم ہند کچھوچھوی قدس سرہٗ

مصنف ومقرر..................سیّد محمد کچھوچھوی رحمتہ اللہ علیہ

ناشر..................الحاج ڈاکٹر شاہ سیّد محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی

(امیر عالمی حلقہ اشرفیہ)

ایڈیٹنگ..................سیّد طاہر شاہ اشرفی سمنانی

کمپوزنگ.................. گرافکس اِن، رتن تلاؤ اردو بازار کراچی۔

طباعت مکرر..................2008ء......(۱۴۲۹ھ)

تعداد:.................. ۱۰۰۰

ہدیہ:.................. ۳ صد روپے

پبلشر:.................. حلقہ اشرفیہ پاکستان (رجسٹرڈ)

فہرست

تجلیات محدث اعظم ہند کچھوچھویؒ

ابتدائیہ

الحمدللہ حلقہ اشرفیہ پاکستان نے اپنے قیام کے بعد سے اب تک سلسلۂ اشرفیہ کی اشاعت اور خاندان اشرفیہ کچھوچھا شریف کے نامور بزرگان کی حیات طیبہ پر کتب شائع کی ہیں اور ان کے اعراس و کانفرنسیں منعقد کی جاتی رہی ہیں۔ لاہور میں محدث اعظم ہند کچھوچھوی کانفرنس ہر سال ١٦ صفر کو منعقد ہوتی ہے۔ جس میں حضرت کی زندگی کے مختلف گوشوں پر خطابات و مقالات میں روشنی ڈالی جاتی ہے، اس طرح حضرت کی زندگی پر مقالات کی تعداد ٢٠٠ دو سو تک پہنچ چکی ہے۔ حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی کی تحریر و تقریر کی کچھ جھلکیاں اس زیرِ نظر کتاب میں شائع کی جارہی ہیں تاکہ پڑھنے والے حضرات خود حضرت ممدوح کی استعداد و قابلیت کا مشاہدہ کرسکیں۔ حضرت کے صاحبزادگان فی الوقت ہندوستان کے باسی ہیں اور وہ حضرات اپنے پروگراموں میں مصروف ہیں اس لئے اپنے والد گرامی کی زندگی کے لمحات پر کچھ زیادہ نہ لکھ سکے جبکہ حلقہ اشرفیہ پاکستان نے ماشاءاللہ حضرت کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اُجاگر کیا ہے۔ روارو ز ہر سال کانفرنس منعقد کرکے سلسلہ برابر بڑھ رہا ہے۔ اسی طرح حلقہ اشرفیہ پاکستان ہر سال حضرت مخدوم سلطان سیّد اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ کے سالانہ مرکزی عرس اشرفیہ پر کراچی میں سیمینار منعقد کرتا ہے۔ حضرت مخدوم کی حیات طیبہ پر ایک مستند کتاب بہ زبان اردو لطائف اشرف لکھ کر اور حضرت کے خادم خاص نظام الدین یمنی کی کاوشوں سے پچاس سال کی صحبت میں ملفوظات کو قلمبند کر کے حضرت مخدوم علیہ الرحمہ سے تصحیح کرا کے بنام لطائف اشرفی بہ زبان فارسی لکھی گئی تھی وہ بھی جوں کی توں طباعت کرا کے ملک کی ہر بڑی لائبریریوں تک پہنچائی جاچکی ہیں۔ چنانچہ سیمینار میں پڑھے گئے مقالات کی طباعت کرا کے ان کو محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اگر چہ کئی مضامین پر منحصر ہے، اپنی افادیت کے اعتبار سے، بہت اہم ہے۔ اُمید ہے کہ بعد مطالعہ ہر فرد حضرت کی تحریر و تقریر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنے بزرگوں کی زندگی کو سچائی کیساتھ عوام کے سامنے پیش کرنے کی توفیق عطاء فرمائے کیونکہ بزرگوں کی جھوٹی کرامت بیان کرنا ان بزرگ پر تہمت کے مترادف ہے۔

فقط

ڈاکٹر سیّد محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی

التحقیق البارع فی حقوق الشارع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ نماز پنجگانہ فرض ہیں اس میں سے تین وقت کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس صحابی کو معاف فرمادی یہ کس حدیث میں ہے اور وہ اس مرتبہ کی ہے کہ قرآن شریف کی ناسخ ہو سکتی ہے یا نہیں؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال فرمادیں اور جسکو چاہیں حرام فرمادیں۔ یہ اختیار کس آیت یا حدیث میں ہے۔ حضرات شیعہ اپنے آئمہ کو بھی یہ اختیار دیتے ہیں یہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا بالکتاب توجرا والیوم الحساب۔

محمد عبدالرحمٰن ڈھالگرہ ٹولہ جون پور۔ بتاریخ ۱۵ اپریل ۱۹۳۷ء الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(۱) مسند امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایسی سند سے جس کے تمام راوی ثقہ اور رجال صحیح مسلم سے ہیں۔ یہ حدیث مروی ہے کہ حدثنا محمد بن جعفر ثنا شعبۃ عن قتاوۃ عن لفر بن عاصم عن رجل منھم رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی انہ لا یصلی الا صلاتین فقبل ذالک منہٗ یعنی ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو ہی نمازیں پڑھا کرونگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو قبول فرمالیا ایسے نو واقعات کی فہرست مجمل طور پر کتاب مستطاب انموذج اللبیب صلی فی خصائص الحبیب میں امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے درج کی ہے کذا فی الامن والعلی المجد المائتہ الحاضرہ اس قسم کے واقعات میں نسخ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا ان واقعات کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض احکام شریعت سے بعض لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسم نے مستثنٰی فرمادیا اور جو چیز تمام امت پر فرض تھی اور ہے یا حرام تھی اور ہے وہ حکم اس شخص خاص کیلئے نہ رہا اسی طرح اس قسم کے واقعات کی روایات میں ایسی قوت کا دیکھنا جو ناسخ قرآن شریف ہو سکے بڑی بے علمی کی بات ہے۔ کیونکہ اول تو یہ موقع نسخ ہی کا نہیں دوسرے اگر مان لیا جائے تو اصل ناسخ اس شخص کیلئے جس کے حق میں نسخ ہوا وارشاد ہے جو لب پاک مصطفےٰ نے فرمایا اور اس شخص نے خود اپنے کانوں سے اس ارشاد کو سنا جس میں راویوں کا کوئی واسطہ نہیں ہے تو اس شخص خاص کیلئے وہ ارشاد نبوی حجت قطعیہ سے ہوگیا جس سے بڑھ کر اور قوی تر شریعت مطہرہ میں کوئی دلیل ہی نہیں ہے البتہ اس واقعہ کی روایت ہم لوگوں تک راویوں کے ذریعے سے پہنچی اور اس روایت میں ہم لوگوں کے حق میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ جس کو چاہیں اور جیسا حکم چاہیں مستثنٰی فرمادیں یہ بات ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے فضائل وخصائص سے ہے اور باب فضائل میں حدیث مذکورہ کو بلا فتنہ منکر حجت ہے واللہ ورسولہ اعلم۔

(۲) قرآن کریم میں فرمایا ماتکم الرسول فخدوہ ومانھا کم عند فانتھوا جو حکم وغیرہ رسول تم کو دیں تم اسکو اختیار کرو جس سے روکیں اس سے باز رہو۔ اور اس آیہ کریمہ کے متعلق ہمالیہ پہاڑ سے زیادہ بھاری حجت مستفتی پر یہ ہے کہ ان کے پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی کو بھی اپنے ترجمہ قرآن میں تسلیم کرنا پڑا ہے کہ اس آیت سے احکام شریعت میں بھی اختیار نبویؐ ثابت ہوتا ہے۔

دوسری آیت الذی یتبعون الرسول النبی الا می الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التواراۃ والانجیل یا مرھم بالعمروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات بحرم علیھم الخبائث الایتہ جولوگ پیروی کرتے ہیں اس نبی امی کی جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے نزدیک توریت وانجیل میں جوان کو حکم دیتا ہے نیکی کا اور روکتا ہے ان کو برائی سے اور حلال فرماتا ہے ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو اور حرام فرماتا ہے ان پر ناپاکیوں کو۔

تیسری آیت قاتلو الذین لایومنون باللّٰہ ولا بالیوم الاخرہ لایحرمون ماحرم اللّٰہ ورسولہ لڑو ان سے جو نہیں مانتے اللہ کو پچھلے دن کو اور نہیں حرام جانتے جسکو حرام کردیا اللہ نے اور حرام کردیا رسول اللہ نے۔

چوتھی آیت ماکان لمومن ولا مومنتہ اذا قضی اللّٰہ ورسولہ امر ان یکون لھم الخیرۃ من انفسھم ومن یعص اللّٰہ ورسولہ فقد ضل ضلا لاً مبینا کوئی حق نہیں کسی مسلمان مرد وعورت کو جبکہ حکم دے اللہ کا رسول کسی کام کا کہ ان کے لئے کچھ اختیار رہے اپنی جانب سے اور جو حکم نہ مانے اللہ کا اور جو حکم نہ مانے رسول اللہ کا وہ بلاشبہ کھلی ہوئی گمراہی میں بہک گیا ہے یہ مشتے نمونہ چند آیات ہیں جن میں قرآن عظیم میں صاف صاف فرمایا کہ رسول اللہ کا حکم تشریعی واجب التعمیل ہے وہ جو چاہیں حکم دیں اور جس چیز سے چاہیں روک دیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حلال فرماتے ہیں اور حرام فرماتے ہیں جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرام فرمادیں۔ جو اس کو حرام نہ مانے اس سے جہاد کا حکم ہے۔ جس چیز کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں اس کو نہ ماننے کا کسی کو اختیار نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو جو نہ مانے وہ سخت گمراہ ہے۔ ان آیات کریمہ میں سے پچھلی آیت کی شان نزول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام آزاد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح کا پیغام اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دیا جس سے انہوں نے اور ان کے بھائی عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر انکار کردیا کہ حضرت زیدؓ ان کے کفونہ تھے اور شرعاً عورت کو حق حاصل ہے کہ اس بارے میں انکار کرسکے خصوصاً جبکہ اس کے خاندان کی شرافت ثریا سے بھی بالاتر ہو مگر اس پیام کے نہ ماننے پر اللہ رب العزت نے وہ الفاظ ارشاد فرمائے جو اللہ کے فرض کیئے ہوئے کسی کام کو نہ ماننے پر فرمائے جاتے اور پھر اس کے ساتھ آیہ کریمہ میں اپنا نام پاک بھی شامل فرمادیا کہ وہ ہمارا ہی فرمانا ہوگیا اور وہ بات فرض قطعی ہوگئی مسلمانوں کو اس کے نہ ماننے کا کچھ اختیار نہ رہا اس بنا پر ہمارے آئمہ دین خدا اور رسولؐ کے فرض میں یہ فرق کرتے ہیں کہ رسول کا فرض کیا ہوا قوی ہے اور خدا کا فرض کیا ہوا قوی ہے۔ احکام شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہیں وہ جو کچھ چاہیں واجب کردیں اور جو

کچھ چاہیں ناجائز کردیں اور جسکو جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرمادیں میزان امام شعرانی باب الوضو میں حضرت سید علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ کان الامام ابو حنیفہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ من اکثر الائمتہ ادبامع اللّٰہ تعالیٰ ولذلک لم یجعل النیۃ فرضا و سمی الموتر واجبا لکرنہما ثبلتا بالسنتہ لا بالکتاب فعقد بذلک تمیز مما اوجبہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فان مافرضہ اللّٰہ تعالیٰ اشد معا فرضہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من ذات نفسہ حین خبر اللّٰہ تعالیٰ ان یوجب مشاء اولا یوجب یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن اکابر آئمہ میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ کیساتھ اوروں سے زیادہ ادب ہے چنانچہ انہوں نے وضو میں نیت کو فرض نہ کہا اور نماز وتر کو واجب کہا کیونکہ یہ دونوں چیزیں حکم نبویؐ سے ہیں جن کا قرآن میں حکم نہیں اس طریقہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرض کئے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واجب کئے ہوئے میں فرق کردیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرض کیا ہوا قوی ہے اس سے۔ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے فرض کیا ہو جبکہ یہ اختیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہی دیا تھا کہ جس بات کو چاہیں واجب کردیں اور جسے چاہیں نہ کریں۔

امام شعرانی نے اس اصل کی بناء پر احکام کی چند مثالیں دیتے ہوئے فرمایا: کان الحق تعالیٰ جل لہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یشرع من قبل نفسد ماشاء کما فی حدیث تحریم مبحرمکہ فان عمہ العباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال لہ یا رسول اللّٰہ الا الاذخر فقال صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم الا الاذخر ولوان اللّٰہ تعالیٰ لم یحبل لہ ان یشرع من قبل نفسہ لم یتجرا صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یستشنی شینا مما حرم اللّٰہ تعالیٰ یعنی حق تعالیٰ نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دیا تھا کہ اپنی جانب سے جو چاہیں شریعت مقرر کریں جیسا کہ حرم مکہ معظمہ کے درخت اور گھاس سے اذخر گھاس اس کو جب حضرت عباس نے عرض کیا کہ مستثنیٰ فرمادیجئے تو حضورؐ نے اس کو مستثنیٰ فرمایا کہ اس کا کاٹنا جائز ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے شریعت مقرر فرمانے کا حق آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ دیا ہوتا تو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی جرأت نہ فرماتے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیا ہے اس میں سے کچھ بھی مستثنیٰ فرمائیں، امام شعرانی نے جس حدیث کا تذکرہ فرمایا ہے وہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نیز اسی صبحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نیز سنن ابن ماجہ میں حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی تعالیٰ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے۔

میزان الشریعت الکبریٰ میں قانون شریعت کی چند قسمیں بتائی ہیں ایک وہ جس کیلئے وحی آئی۔ الثانی ما اباح الحق تعالیٰ نبیہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ان لیسنہ علی رایہ ہو کتحریم لبس التحریر علی الرجال وقولہ فی حدیث تحریم مکتہ الاالا ذخر و لو لا ان اللّٰہ کان یحرم جمیع نباتات الحرم لم لیستثن صلی اللّٰہ علیہ وسلم الاذخرہ ونحو حدیث لولا ان اشق علی امتی لاخرت العشاء الی ثلث اللیل ونحو حدیث لو قلت نعم لوجبت ولم تستطیعو فی جواب من قال لم فی فریضہ الحج اکل عام یا رسول اللّٰہ قال لا ولو قلت نعم لو

جت وقد کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یخفف علی امتہ وینھا بھم من کثیرۃ السوال ویقول
اتر کونی ما تر کتکم الا باختصار یعنی شریعت کی دوسری قسم ہے کہ حق تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دیدی کہ اپنی رائے
سے جو طریقہ چاہیں قائم فرمادیں۔ مثلاً مردوں کو ریشم پہننے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حرام فرما دینا اور تحریم ملا کی حدیث میں اذخر
گھاس کو مستثنیٰ فرما دینا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مکہ کی ہر جڑی بوٹی کا کاٹنا حرام نہ فرمادیا ہوتا تو اذخر کو مستثنیٰ کرنے کی کیا حاجت تھی اور مثلاً
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اگر میری اُمت پر بوجھ نہ ہوجاتا تو میں نماز عشاء کے وقت کو تہائی رات تک ہٹا دیتا اور
مثلاً جب حضورؐ فریضہ حج بیان فرمارہے تھے اور کسی نے پوچھا کہ کیا ہر سال حج فرض ہے؟ یارسول اللہ تو حضورؐ کا فرمانا کہ نہیں اور اگر میں
ہاں کہہ دوں تو ہر سال حج واجب ہوجائے اور تم نہ کرسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ اپنی امت پہ آسانی فرماتے اور
ان کو زیادہ سوال کرنے سے روکتے اور فرماتے کہ مجھ کو چھوڑے رکھو جب تک تم کو کسی حکم سے آزاد رکھوں۔ امام کی عبارت بالا میں نماز
عشا کے موخر فرمانے کی جو حدیث ہے اس کو متعدد محدثوں نے روایت کیا ہے چنانچہ معجم کبیر طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ
عنہ سے اور مسند امام احمد وسنن ابوداؤد وابن ماجہ وغیرہا میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ حدیث مروی ہے اور وہ
حدیث جس میں فرمایا کہ اگر میں ہاں فرمادوں تو ہر سال حج فرض ہوجائے متعدد کتب صحاح میں موجود ہے چنانچہ مسند امام احمد وصحیح مسلم و
نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور مسند امام احمد وترمذی وابن ماجہ میں حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ
الکریم سے اور مسند امام احمد دارمی ونسائی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالکؓ سے
مروی ہے اور میزان کا پچھلا مضمون کہ مجھے چھوڑے رہو جب میں تم کو آزاد رکھوں یہ بھی صحیح مسلم وسنن نسائی میں اس حدیث ابوہریرہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہے۔ جس میں فرمایا کہ لو قلت نعم لو جب ولما استعطعتم اگر میں کہہ دیتا کہ ہاں تو حج ہر سال
واجب ہوجاتا اور تم نہ کرسکتے پھر فرمایا۔ ذرونی ما تر کتم فانما ھلک من کان قبلکم بکثرۃ سوالھم اختلافھم علی
انبیاھم فاذا امرتکم بشی فاتوا منہ مااستعطعتم واذا نھیتکم عن شی فدعوہ. مجھے چھوڑے رہو جب میں تمہیں آزاد
رکھوں کہ پہلی امتیں ہلاک ہوئیں زیادہ پوچھنے اور اپنے انبیاء کے خلاف منشا چلنے سے تو میں تم کو جس چیز کا حکم دوں حتی الامکان اسکو انجام
دو اور جب میں تم کو کسی چیز سے روکوں تو اس کو چھوڑ دو اس کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے حدیث کا یہ ٹکڑا تفسیر ہے۔ اس آیہ کریمہ کی
جس سے جواب دوم شروع کیا گیا ہے کہ ما اتا کم الرسول فخذوہ ومانھا کم عنہ فانتھوا رسول جس بات کا حکم دیں اس
کی تعمیل کرو اور جس سے روک دیں اس سے باز رہو۔ واللہ الحجۃ السامیۃ امام احمد قسطلانی مواہب الدنیہ میں فرماتے ہیں من خصائصہ
صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم بانہ یخص من شاء بماشاء من الاحکام۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے
ہے کہ جس سے جس حکم کو چاہیں خاص فرمادیں۔

امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ میں ایک باب وضع فرمایا: باب اختصاصہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم بانہ

یخص من شاء بماشاء من الاحکام۔ یعنی باب اس بیان میں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جس حکم سے جس کو چاہیں خاص فرمادیں امام قسطلانی نے اس کی نظیر میں پانچ واقع ذکر کیے اور امام سیوطی نے اس پر مزید پانچ کا اضافہ کیا۔ حضرت مجدد مایہ حاضرہ نے پندرہ بڑھائے۔ میں انہیں چند واقعات بلانقل عبارات بخیال اختصار نقل کرتا ہوں اور ہر ایک حوالہ دیتا جاتا ہوں تاکہ جو چاہے اصل کتاب سے اصل عبارت کو دیکھ لے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے چھ مہینے کی بکری کی قربانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز فرمادی اور فرمایا: لن تجزی من احد بعدک یعنی آج یہ اجازت سوا تمہارے کسی کیلئے نہیں ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے نیچے ہے: خصوصیتہ لاتکون لغیرہ اذکان لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یحض من شاہ ماشاء من الاحکام یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ خصوصیت حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی جو دوسروں کیلئے اس حکم کی بناء پر نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کو اختیار تھا کہ جسے چاہیں خاص فرمادیں حدیث مذکورہ بخاری و مسلم میں حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

(۲) ایک بار حضرت عقبہ ابن عامر کو بھی ششماہی بکری کی قربانی کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی۔ یہ حدیث بخاری شریف و مسلم شریف و سنن بیہقی میں مروی ہے حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرۂ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں احکام مفوض بود بوے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی شریعت سپرد تھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔

(۳) حضرت اُم عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک جگہ نوحہ کرنے کی رخصت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی، یہ حدیث صحیح مسلم و سنن نسائی و ترمذی و مسند امام احمد میں مروی ہے۔ امام نوری اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں: للشارع ان یخص من العموم ماشاء یعنی شارع علیہ السلام کو اختیار ہے کہ عام حکموں سے جو چاہیں خاص فرمادیں۔

(۴) ایک بار حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے کی اجازت فرمائی اس واقعہ کو ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(۵) ایک بات حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو عدتِ وفات شوہر کا سوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمادیا، یعنی چار مہینہ دس دن کے سوگ کو جو واجب ہے ان کیلئے صرف تین دن کا سوگ رکھا۔ یہ واقعہ طبقات ابن سعد میں ہے۔

(۶) ایک بار حضرت اسماء بنت یزید انصاریہؓ کو بھی نوحہ کرنے کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے۔

(۷) ایک مرتبہ ایک صحابی کو مہر کی جگہ صرف سورۃ قرآن سکھادینا کافی فرمادیا: لایکون لاحد بعدک مھرا یعنی تیرے سوا

اور کسی کیلئے یہ مہر کافی نہیں۔ یہ واقعہ ابن السکن میں حضرت ابوالنعمان ازوی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۸) ایک مرتبہ حضرت خزیمہ ابن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کی گواہی کو ہمیشہ کیلئے شہادت کا نصاب کامل فرمادیا اور آیہ کریمہ **واشهد واذوی عدل منکم** سے ان کو مستثنیٰ فرمادیا۔ یہ حدیث ابوداؤد و نسائی وطحاوی وابن ماجہ ومصنف ابن ابی شیبہ وتاریخ بخاری و مسند ابویعلی وصحیح ابن خزینہ کبیر طبرانی وغیرہ میں موجود ہے۔

(۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کیلئے روزہ کا کفارہ یوں جائز فرمادیا کہ اپنے پاس سے ان کو سوا دومن کھجوریں عطا فرمائیں اور فرمادیا کہ خود کھاؤ اور اپنے گھر میں والدین کو کھلاؤ تمہارا کفارہ ادا ہوگیا۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی اور صحیح مسلم میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اور مسند بزاز ومعجم اوسط یا اوسط اور طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے اور دار قطنی میں حضرت امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے۔ ہدایہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ سنن ابوداؤد میں امام زہری سے منقول ہے۔ **انما کان هذه رخصته والوان رجلاً فعل ذالک الیوم لم یکن له بد من التکفیر** یعنی یہ اجازت خاص اسی شخص کیلئے تھی، اگر آج کسی پر کفارہ واجب ہو تو کفارہ ادا کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ وغیرہ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔

(۱۰) ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوان صحابی حضرت سالمؓ کو اجازت دی کہ ایک بی بی صاحبہ کا دودھ پی لیں اور اسی سے حرمت رضاعت ثابت فرمادیں۔ اس واقعہ کو صحیح مسلم وسنن نسائی وابن ماجہ ومسند امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اُم المومنین سلمہؓ ودیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا کہ **مانری هذا لا الارخصته ارخصها رسول الله صلی الله علیه وسلم سالم خاصته** یعنی ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص سالمؓ ہی کو اس کی اجازت دی تھی۔ یہ حدیث طبقات ابن سعد وحاکم میں بھی موجود ہے۔

(۱۱) آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ اور حضرت زبیر ابن عوامؓ کو جن کے بدن میں سوکھی کھجلی تھی۔ ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت عطا فرمائی۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے۔

(۱۲) آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو جنابت کی حالت میں بھی مسجد نبوی میں رہنا جائز فرمادیا۔ اس حدیث کو ترمذی وابویعلی وبیہقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے اور مستدرک وحاکم میں حضرت ابوہریرہؓ نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا اس کے متعلق بیان نقل فرمایا ہے۔

(۱۳) مخدرات اہل بیت پاک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت عذر ماہانہ مسجد نبوی میں آنا جائز فرمادیا۔ یہ حدیث معجم کبیر طبرانی وسنن بیہقی وتاریخ ابن عساکر میں اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے۔

(۱۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت برار ابن عازب رضی اللہ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہننی جائز فرمادی۔ یہ واقعہ ابی

شیبہ نے بسند صحیح ابوالسفر سے روایت کیا ہے۔

(۱۵) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت سابقہ سے حضرت سراقہ کو امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سونے کے کنگن پہنائے۔ یہ حدیث دلائل النبوت بیہقی میں مروی ہے۔

(۱۶) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بغیر حاضری جہاد مال غنیمت کا مستحق فرمادیا اور عطا فرمایا۔ یہ حدیث صحیح بخاری و ترمذی و مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

(۱۷) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی رعایا سے تحفہ لینا جو سب کیلئے حرام ہے، حلال فرمادیا۔ یہ واقعہ کتاب الفتوح میں منقول ہے۔

(۱۸) وہی نماز معاف کرنے کا واقعہ جو جواب سوال اوّل میں گزرا۔

(۱۹) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اجازت دی کہ اپنے بیٹے کا نام اور کنیت دو رکھیں جو حضور ﷺ کا نام اور کنیت ہے۔ اس حدیث کو امام احمد وابوداؤد و ترمذی وابویعلی وحاکم وطحاوی و بیہقی وغیرہ نے روایت کیا۔

(۲۰) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صحابیہؓ کو احرام میں شرط لگالینا جائز فرمادیا کہ جب اثناءِ حج میں معذور ہو جانا تو احرام سے نکل جانا۔ حالانکہ یہ کسی دوسرے کیلئے جائز نہیں ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں مسند امام احمد و سنن نسائی و صحیح ابن حبان میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور مسند امام احمد و صحیح مسلم وابوداؤد و ترمذی وابن ماجہ خزیمہ وابونعیم بیہقی میں حضرت ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور بیہقی وابن مندہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور اس قسم کی حدیثیں جن میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر امت پر گرانی کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز میں مسواک کرنا واجب کر دیتا یا نماز عشاء کا وقت تہائی رات تک ہٹا دیتا یا صحابہ کا بیان کہ اگر مسافر کیلئے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت تین دن سے زیادہ کی جاتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرما دیتے۔ بکثرت کتب حدیث میں بسند صحیح مروی ہیں جن کی تفصیل کا بخیال اختصار یہ مقام متحمل نہیں ہے اور جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہی تعلیم تھی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہی عقیدہ تھا کہ قانون اسلام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد ہے۔ جس کو چاہیں حکم دیں اور جس کو جس سے چاہیں روک دیں اسی طرح ایسی حدیثیں جن میں آیا ہے کہ امر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یا قضی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یا نہی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اس قدر ہیں جن کا شمار نہایت دشوار ہے اور جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ارشاد نبوی کا ہر امر و نہی قانون اسلام ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء طیبہ سے شارع علیہ السلام بھی ہے اور شارع کے معنی ہی شریعت ساز کے ہیں تو اب سوال دوم کا جواب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت پر اختیار ہے اس اختیار کا بیان قرآن شریف میں بھی ہے۔ حدیث شریف میں بھی ہے تصریحات آئمہ میں بھی ہے یہی صحابہ کرام کا عقیدہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

اس فضیلت سے انکار کرنا ملحدوں وہابیوں کی بدعت ضلالت ہے اس پر مستفتی کا یہ شبہ کرنا کہ شیعہ آئمہ اہل بیت کو بھی یہی اختیار دیتے ہیں۔ لہٰذا ہم ان کی ضد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خداداد اختیار نہ دیں گے نہایت شرمناک جرم اور افسوسناک جہالت ہے مستفتی کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ بطلان مذہب شیعہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ آئمہ اہل بیت کو ایسے اختیارات دیتے ہیں جو اللہ اور رسول کیلئے خاص ہیں اگر مستفتی کی یہی ضد قائم رہی تو خطرہ ہے کہ آج تو شارع علیہ السلام کے شارع ہونے سے انکار کردیا کل کہیں یہ نہ کہہ دے کہ چونکہ شیعہ آئمہ اہل بیت کو اختیار تشریعی دیتے ہیں لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کو بھی اختیار نہیں دیتا تا کہ شیعوں سے ضد پوری ہوجائے۔ لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم پرائے شگون پر اپنی ناک کٹوانی اسی کو کہتے ہیں اور شیعہ کو مستفتی نے حضرات شیعہ لکھ کر خود اپنی جماعت کو دکھ پہنچایا اسکا ذمہ دار خود مستفتی ہے۔ جس طرح کہ اہلسنّت و جماعت کو اہلسنّت والجماعت لکھ کر دو عدد جہالتوں اور آخر استفتا میں صرف انگریزی تاریخ بلاوجہ لکھ کر پیروی سنت نصاریٰ کا ذمہ دار خود مستفتی ہی ہے۔

اللّٰھم احفظنا من الجھل و الجھال

ضروری ہدایات:

اللہ تعالیٰ کو تو تمام شریعت پر ہر قسم کا اختیار بالذات ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو کچھ اختیار ہے وہ اللہ کی عطاء سے ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح مختار ہے کہ خود اپنا حکم جب چاہے منسوخ فرمادے اُسی طرح وہ مختار ہے کہ اپنے نبی کا حکم برقرار رکھے یا مسترد فرمادے یعنی حکم نبوی کا واجب التعمیل ہونا حق اُمت میں ہے کہ اگر حکم نبوی کو اللہ تعالیٰ نے مسترد نہ فرمایا تو اُمت کیلئے واجب التعمیل ہے۔ لہٰذا آیہ یاایھا النبی لم تحرم الایہ وغیرہا سے مسئلہ اختیار نبوی پر کوئی خلاف اثر نہیں پڑتا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مستفتی نے نماز معاف فرمانے پر غصہ میں صرف نسخ کا بے محل اور لغو و مہمل شبہہ کیا لیکن جس جماعت سے مستفتی کا باب عقائد میں تعلق ہے اُس کے امام و پیشوا یعنی مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی سابق ایڈیٹر النجم نے جب اس حدیث کو سنا تو بکمال ایڈیٹریٹ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے لکنت زبان سے لفظ ''عبد باغی'' یعنی بندہ سرکش سے تعبیر کیا اور اس لفظ کو لکھ کر اپنی دستخط کے ساتھ مناظرہ کچھوچھا شریف میں میرے حوالہ کردیا جو روداد مناظرہ کچھوچھا شریف میں مدت ہوئی چھپ چکا ہے اور جس کی اصل محفوظ ہے۔

حال ایمان کا معلوم ہے بس جانے دو

لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم

اسی قسم کے دوسرے کفریات اور بارگاہ نبوی میں گستاخیاں ہیں جن کی بناء پر عرب وعجم کے علماء اسلام نے بالاتفاق فرمایا کہ ان لوگوں کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں اُن کے پاس بیٹھنا اُن کے ساتھ کھانا پینا ان کی اعانت کرنا اُن کے پیچھے نماز پڑھنا ان کے جنازہ پر نماز پڑھنا سخت حرام اور گناہ ہے مولیٰ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت فرمائے کہ وہ دشمنانِ عظمت رسول ﷺ کو اپنے

دشمنوں سے زیادہ بدتر جانیں۔

وتمام التفصيل في الكتب المباركة الامن والعلى و حسام الحرمين والصوم الهنديه هذا ماعندى والعلم عندالله تعالىٰ والله ورسوله اعلم و علمه جلمجده اتم واحكم. چونکہ اس تحریر نے باوجود اختصار رسالہ کی اختیار کی، لہٰذا اس کا نام التحقیق البارع فی حقوق الشارع رکھا۔ والحمدللہ اولاً و الاخر۔

ابوالمحامد سیّد محمد اشرفی الجیلانی غفرلہٗ کچھوچھا مقدسہ ضلع فیض آباد

۱۶؍صفر المظفر یوم دوشنبہ مبارک ۱۳۵۷ھ

۞۞۞

مولانا مفتی احمد یار خان

مدرس اوّل جامعہ اشرفیہ کچھوچھا شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماشاء اللہ فاضل مجیب حضرت مولانا سیّد محمد صاحب قبلہ مدظلہ نے نہایت ہی مدلل و محقق و مدقق جواب ارشاد فرمایا اس مسئلہ کے متعلق تمام پہلوؤں پر کافی روشنی ڈال دی۔ تعجب ہے کہ مسلمان اس قاعدہ کا کیونکر انکار کرتا ہے یہ تو مدار اسلام ہے اگر حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو احکام شریعت میں صاحب اختیار نہ مانا جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ صرف قرآن ہی سے مسائل حاصل کیے جائیں نہ کہ حدیث سے، کیونکہ اگر غور کیا جائے تو حدیث فرمان مصطفےٰ ﷺ ہی کا تو نام ہے، وہاں ہر جگہ یہی آتا ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر حضور ﷺ کو شریعت میں اختیار نہیں تو اس قسم کے احکام واجب العمل نہ ہونے چاہئیں۔ معاذ اللہ حقیقت یہ ہے کہ احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درحقیقت احکام خداوند تعالیٰ ہی ہوتے ہیں اور ان کا فرمان، فرمان الٰہی ہوتا ہے اما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کے عموم نظم کا یہی تقاضا ہے اسی لئے اصول حدیث وقرآن میں صرف اتنا فرق کرتے ہیں کہ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو یعنی وحی دونوں ہیں مگر فرق یہ ہے کہ قرآن کی نماز میں تلاوت ہوتی ہے حدیث کی نہیں۔ نسخ قرآن بالحدیث اور نسخ حدیث بالقرآن جائز بلکہ واقع ہے۔ سائل نے شبہ کیا ہے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شارع مانا جائے تو تشبیہ بالروافض لازم آئے گا۔ تعجب ہے کہ اس کا دماغ اوندھا چل رہا ہے بلکہ حضور ﷺ کو شارع نہ مانا جائے تو رفض کو تقویت پہنچتی ہے روافض یہی کہتے ہیں کہ چونکہ تقسیم میراث قرآن شریف سے ثابت ہے اس لئے حضور ﷺ کی تمام املاک کی مالک حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہونی چاہئیں اس کے جواب میں یہی کہا جاتا ہے کہ چونکہ حدیث میں آ گیا کہ ہم کسی کے مورث نہیں ہیں اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ ہیں غرض کہ اس قاعدہ کا انکار کرنے سے احادیث سے اعراض لازم آتا ہے اور احکام اسلامی بہت سے ختم ہو جاتے ہیں اس لئے اس کا انکار بڑی بے دینی اور گمراہی ہے خداوند تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو گمراہوں اور گمراہیوں سے بچائے اور حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و نور عرشہ سیّدنا مولٰینا محمد و آلہٖ اصحابہ اجمعین برحمتہ ھو ارحم الراحمین۔

فخر الہند استاذ العلماء الحاج مولانا

مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی

کی تائید

ہم پر حضور سرور دو عالم ﷺ کی اطاعت فرض ہے اور حضور ﷺ کی اطاعت ہی اللہ کی فرمانبرداری ہے "قال اللّٰہ تعالیٰ من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ و من تولی فما ارسلنک علیھم حفیظا" حضور انور ﷺ شارع ہیں احکام آپ کی مفوض ہیں پروردگار عالم نے آپ کو اختیار دیا ہے بکثرت احادیث اس پر دال ہیں۔ علماء کرام و آئمہ اعلام نے اس کی تصریحات فرمائی ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت مجدد و مائتہ حاضرہؒ نے اپنی تصانیف میں اس مسئلہ کو شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ دیکھو سلطنت المصطفیٰ اور الامن والعلی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فضائل رمضان المبارک

سعادتمند روحیں اور حوصلہ مند طبیعتیں جن مبارک ایام اور مقدس مہینہ کا سال بھر سے انتظار کرتی ہیں اور ماہ شعبان المعظم ہی سے اس کا استقبالی اہتمام بڑھ جاتا ہے وہ ماہ رمضان المبارک ہے۔ یہ مبارک مہینہ جن آسمانی برکتوں اور روحانی نعمتوں کو ساتھ لے کر آتا ہے اس پر اسلام کی صداقت کافی شہادت ہے۔

اسلام سے پہلے اس مہینہ کی خصوصیات سے دنیا ناواقف تھی، اور یوم عاشورہ کی فضیلت کا شہرہ تھا، لیکن معراج کی روشن رات نے جہاں بہت سے انوار و برکات سے اہل دنیا کو مالا مال کیا وہاں رمضان المبارک کے مقدس چہرہ کو بے حجاب فرمادیا، صرف رمضان شریف کی خصوصیت ہے کہ اسلامی دنیا پر ایک ماہ کامل آفتاب کا طلوع دورۂ نہاری اور غروب کا ہر ہر سیکنڈ عبادت الٰہی کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ جن لوگوں پر رشتہ کے استحکام کا فلسفہ روشن ہو چکا ہے اور جن کے نزدیک حکمت عملیہ کا ہر شعبہ اسی بنیاد پر قائم ہے وہ جانتے ہیں کہ اخلاق کا حسن تدبیر منزل کی خوبی مدنیت کا کمال صرف استحکام رشتہ کی نکتۂ بدیعہ کی جلوہ آرائیاں ہیں۔

اگر اپنے نفس کو مطلق العنان چھوڑ دیا جائے اور اس کی عزت کرنے کی بجائے اس کے حالات سے اعتناء نہ کیا جائے یا اعزہ و اقارب کی یگانگت سے استغناء برتا جائے اور حقوق شرعیہ پامال کیئے جائیں یا راعی و رعایا کے تعلقات میں کشیدگی ہو تو تہذیب الاخلاق و تدبیر منزل و سیاست مدن کی تاریکی کیا ناگفتنی نہ ہوگی؟ ہوگی اور ضرور ہوگی۔

اب ذرا عقل سے کام لو تو عالی حوصلہ اور بلند مرتبہ نفوس کی یہ تمنا بالکل جامعۂ حقانیت سے ملبوس ہے کہ انسان کی قیمتی زندگی میں جس رشتہ کا استحکام سب سے زیادہ ضروری یا یوں کہو کہ جس رشتہ کی مضبوطی سے تمام تعلقات کا کمال متعلق ہے وہ صرف عبد و معبود کا رشتہ ہے۔ رمضان المبارک اسی مضبوط رشتہ کی نورانیت ساتھ لے کر آیا ہے اور اسی لیئے مشتاق طبیعتیں اس کی آمد کے انتظار میں بے چین رہتی ہیں۔ تمہارے پاس خدا کا دیا سب کچھ کھانے کو موجود ہے، ٹھنڈا پانی گھڑوں میں بھرا ہے، مشرکین و کفار کھاتے پیتے رہتے ہیں، یہ سب دیکھتے ہو نفس امارہ تم کو بھوک پیاس دفع کرنے پر زور دیتا ہے کوئی مجبوری بھی نہیں ہے حلق میں کانٹے پڑے ہیں۔ آنتیں تڑپ رہی ہیں آنکھیں نکل پڑی ہیں چہرہ خشک ہو گیا ہے یہ سب کچھ ہے لیکن تم ایک قطرہ پانی اور ایک دانہ اناج حلق کے نیچے اُترنے نہیں دیتے یہ کیوں؟ اس لئے کہ تمہاری روحانیت نے ایک قدیر و غالب، قادر و توانا ہستی کے حضور سر نیاز رکھ دیا ہے اور وہ اپنی عبدیت کے رشتہ کو مستحکم کر رہی ہے اور اطاعت کا مجسمہ بن رہی ہے۔ جن لوگوں نے اپنی رفتار کو خواہ کیسی ہی بے ڈھنگی ہو مذہبی قرار دیا ہے وہ کسی نہ

کسی طرح اک بلند و بالا ہستی سے نیاز مندانہ تعلقات کے قیام کو عملی جامہ پہنایا کرتے ہیں لیکن اسلامی تعلیم سے الگ رہ کر ان کی اعتراعی نیاز مندی اس درجہ بے معنیٰ ہوئی ہے اگر دنیا اُن کی دعوت پر لبیک کہے تو انسانیت کے زمانہ حیات کی مقدار ایک سیکنڈ بھی نہ رہے۔

ہاتھ پاؤں خشک کر لینا صورت بگاڑ نا خصّی ہو جانا ان تعلیمات پر اگر اہل عالم آ رہے ہیں تو قیامت سے پہلے قیامت قائم ہو جائے۔ اسلام چونکہ الہامی مذہب ہے لہٰذا اس کی تعلیم اس عیب سے پاک ہے اور اگر دنیا اس کی پُر صداقت تعلیم کو قبول کرے تو شاہراہ ترقی اس کے سامنے موجود ہے۔ نفس کشی جو رہبانیت محرمہ کی غرض بتائی جاتی ہے اسلام نے اس کی طرف دعوت روزہ کے نام سے دی ہے لیکن کیا کہنا ہے اس صداقت کا کہ اگر ایک طرف روزہ نے نفس کشی کی تعلیم دی تو دوسری طرف ایسے حکیمانہ رموز اور طبیبانہ اسرار مضمر رکھے ہیں، جن کا جسمانی صحت سے غیر معمولی تعلق ہے، اطباء نے اخراج مادہ کی صورتیں چند بتائی ہیں۔ اسہال، استفراغ، فصد حجامت اور فاقہ۔ ان کا مسئلہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں بے ضرر تدبیر صرف فاقہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ صیام مسنونہ کی پابندی کرتے ہیں ان کے مزاج کا اعتدال بہتر سے بہتر رہتا ہے اس طبیبانہ حکمت کی جھلک نماز تراویح میں رکھی گئی ہے کہ افطار کے وقت معدہ غیر معمولی گرانی کی زد میں آ جاتا ہے، اور نشست و برخاست طب کے تجربہ میں معین ہضم ہے۔

اسلام کی یہ ممتاز خصوصیت کہ اس کی ایک ایک تعلیم ہزاروں حکومتوں کا سرچشمہ ہوتی ہے، مسئلہ صیام میں بھی موجود ہے۔ رحم دلی و ہمدردی، فقراء اور غرباء پروری کا عملی سبق اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ ایک عیش پرست دولتمند مستغنی شاہ زمانہ اسلامی حلقہ میں نیاز مندانہ داخل ہو کر ایک ماہ کامل دن بھر بھوک اور پیاس سے لذت آشنا ہوتا رہتا ہے اور اس کا ضمیر ان محتاجوں کے مصائب کا احساس کرتا ہے جس کے غربائے اسلام شکار ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسے سعادت مندانہ ایسے خشک ہوتے ہیں جن کو خار کہئے نہ اتنے مزاج دار ہوتے ہیں کہ ان کو گل کہیئے بلکہ ان کی ایمانی کیفیت اس بلبل بے آشیاں کی طرح ہوتی ہے، جس کے سامنے ہرا بھرا چمن لٹ گیا ہو۔

خاروں سے پوچھئے نہ کسی گل سے پوچھئے
صدمہ چمن کے لٹنے کا بلبل سے پوچھئے

مذہبی جرائد کی اشاعت، مدارس کا قیام، خانقاہوں اور مدارس کی خدمت، یتیم خانوں اور شفاء خانوں کی بنیاد میں حصہ لینا اسی ایمانی احساس کا نتیجہ ہے۔

صلۂ رحم، احترام قرابت، امن پسندی، حسن معاشرت وغیرہ کثیر صفات حسنہ کی تحصیل اسی تاثیر دینی کا اثر ہے۔

غرض ایک مسئلہ صیام تمام معاشرتی اقتصادی تمدنی تعلیمی فوائد کا بہترین شفیق استاد ہے مسائل اسلامیہ کی یہ حقیقت ناقابل فراموش ہے کہ اس کے ہر جزیہ میں دو پہلو ہوتے ہیں ایک کو ظاہر دوسرے کو باطن کہتے ہیں۔ اسی صوم کو لیجئے اس کا ظاہری پہلو تو یہ ہے

کہ اگر تم مسلمان ہو اور صدق دل سے لا الہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ کہتے ہو، تمام ضروریات دین پر ایمان لا چکے ہو اور تم انسان عاقل بالغ و مقیم ہو اور تمہاری حیات نے ماہ شعبان کا سفر طے کرلیا ہے اس کے بعد ۲۹ شعبان المعظم کو تم نے چاند دیکھ لیا ہے یا چاند دیکھنے والوں کی شرعی شہادت گزر چکی ہے، یا ۳۰ شعبان آ گئی ہے تو دوسرے دن اب طلوع صبح صادق تا غروب آفتاب تا ہلال عید روزانہ کھانا پینا اور نفس پروری حرام اور قطعی حرام ہے، اگر تم نے ماہ رمضان المبارک بھر سارا دن بے کھائے پیئے اور بغیر نفس پرستی کے گزار دیا تو تم نے بلاشبہ روزہ رکھا اور فرض کے ظاھری پہلو سے سبکدوش ہو گئے جس میں عام وخاص میں سے کسی کا استثنا نہیں اور جس کی ادائیگی مذہبی طور پر لابدی ہے تم کو اپنے رب سے مقبولیت کی اُمید رکھنی چاہئے اور اپنی خطاؤں کو یاد کرکے ڈرنا چاہئے اور اس پر یقین رکھنا چاہئے کہ رب نے فرمایا تھا کہ **فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ** (ترجمہ) تو جس نے پایا تم میں سے ماہِ رمضان کو تو چاہئے کہ روزہ رکھے اور تم نے تعمیل حکم میں بھوک پیاس اور ترک نفس پروری اختیار کرلیا اگر قبول فرمالیں تو بہت ہے اور نہ قبول فرمائیں تو اس سے زیادہ کرنا بھی کچھ نہیں ہے اور ان کی رحمت عامہ سے قبولیت ہی کی اُمید ہے کہ مایوسی کو اسلام نے کفر قرار دیا ہے۔

بعض معاصرین کا صوم کے ظاھری پہلو سے بے اعتنائی اور باطنی رُخ کو ظاہری فرض قرار دینا کبھی پسندیدہ نہیں ہوسکتا بلکہ یہ تبلیغ ان کم ہمتوں اور پست فطرتوں کیلئے سم قاتل ہوجاتی ہے جو حقیقی انقیاد کے ذوق سے محروم ہیں وہ لوگ اپنی دون ہمتی کا عذر سامنے لاکر اس عظیم الشان فرض الٰہی کو ترک کرکے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں کودنے کو تیار ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا صاف صاف بتانا چاہئے کہ تم پر اسلام نے ظاہری طور سے اتنا فرض قرار دیا ہے لیکن اگر تم سعادتمند ہو اور حلاوت ایمانی کا ذائقہ پاچکے ہو تو تمہاری روحانیت تم کو خود باطنی پہلو کا گرویدہ بنائے گی اور تم انقیاد واطاعت کی تصویر ہوجاؤ گے۔

تم روزہ رکھنا اپنا مذہبی فرض سمجھو گے اور یقین رکھو گے کہ تم کسی پر احسان نہیں کرتے ہاں اپنی ہڈی اور بوٹیوں پر رحم کرتے ہو اور قہر الٰہی کی زد سے اُن کو بچاتے ہو اور جب تم کو اس یقین پر اطمینان ہوگا تو تم تواضع وانکسار کے پتلے ہوگے بات بات پر غصہ آنا چھوٹے بڑے کو جھڑک دینا اندر باہر اندھادھند مچانا، ناک بھوں بگاڑے رہنا، نمک پانی میں اُلجھنا ہوا سے لڑتے رہنا مزاج دار اور قہار بننا تم سے چھوٹ جائیگا۔

تم ہرنا گوار گفتگو اور جنگی واقعہ کا فوری خاتمہ یہ کہہ کر کردو گے کہ میں روزہ ہوں اور تم کو ارشادِ نبوی ہدایت فرمائے گا کہ ایسی حالتوں میں گرفتار ہونے والے کو فرمایا ہے کہ **فلیقل انی صائم** یعنی اس کو کہنا چاہئے کہ میں روزہ دار ہوں۔ تمہاری عبدیت کے مجسمہ کا ہر عضو سڈول اور خوبصورت ہوگا آنکھیں نا قابل دید کی رویت سے نا قابل شنید کی سماعت سے ہاتھ نا قابل اخذ کی گرفت سے پاؤں نا قابل سفر کے طے مسافت سے قلب ودماغ نا قابل تصور کے خیالات سے شکم نا قابل اکل کے ہضم سے بالکل محفوظ ومصوؤن ہیں گے اور تمہاری نیازمندی اس صورت سرمدی کے ذوق پر کیف ہوگی۔

الصوم لی وانا اجزی بہ یعنی روزہ میرے لیئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا بعض حضرات اس حدیث قدسی میں لفظ

اُجزے، بصیغۂ ماضی مجہول پڑھتے ہیں اور اس صورت میں ترجمہ یہ ہوا کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کا بدلہ ہوں۔ اس پر تمہارا شوق نغمہ سرا ہوگا ؎

ہر کس بجیاں خود دا روز تو مقصود دے
این جملہ طفیل تو من از تو ترا خواہم

ترجمہ:

یہ کیوں کہوں مجھ کو یہ عطاء ہو وہ عطا ہو
وہ دو کہ ہمیشہ میرے گھر بھر کا بھلا ہو

مسئلہ صوم کی جو خاص دلفریب ادا مشتاق دلوں کو بھاتی ہے وہ اس کا ریا ومکر سے منزہ ہونا ہے۔ بڑے سے بڑا مکار اور پرلے درجہ کا ریا پسند ان شدائد کی برداشت سے عاجز ہے جس کو قوت عبدیت اپنے لئے باعث صد ناز راحت سمجھتی ہے اور ہرگز مکار کا مرض جوع البقر خلوئے معدہ سے راضی نہیں ہوسکتا اور فریبی کی علت استسقاء پیاس کو کبھی پسند نہیں کر سکتی اور ریا پرست کی حیوانیت ترک نفس پروری پر آمادہ نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے محبوب صوم کی محبت صرف اس قلب کو اپنا مسکن بناتی ہے جس میں شرک خفی کی تاریکی نہ ہو۔ اگر صوم اپنی ظاہری وباطنی خوبیوں سے آراستہ کہیں جلوہ فرمائے تو یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ اس کا جلوہ گاہ ظلمت ریا سے تاریک نہیں ہے۔

جب ہم اسلاف کے حالات کا دورہ کرتے ہیں تو حضور مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا ارشاد عجیب روحانیت پیدا کرتا ہے کہ **حبب الی من الدنیا ثلثہ** مجھے دنیا میں تین چیزیں پسند ہیں۔ **الحرب باالسیف** ایک کفار سے جنگ، **والحدمۃ للضیف** دوسرے مہمان نوازی **والصوم فی الصیف** تیسرے تپتی ہوئی گرمی میں روزہ رکھنا۔ مولیٰ تعالیٰ نے زبان مولیٰ پر جن کلمات کو جاری فرمایا وہ صرف تین پیاری چیزوں کے شمار کرانے ہی سے متعلق نہیں ہے بلکہ ۴۰ھ کے ایک عظیم الشان واقعہ کی پیشینگوئی بھی ہے اور کیوں نہ ہو کہ **کلام المولیٰ مولی الکلام** ایک بدیہی مسئلہ ہے۔

میرا اشارہ اس واقعۂ عظیمہ کی طرف ہے جب کہ ہجرت کو چالیس برس گذر چکے تھے اور اُمت محمدیہ کا چوتھا فرمانروا زینت بخش و تخت خلافت راشدہ تھا۔ مرتدین کی وہ جماعت جو سیف صدیقی سے جہنم گھاٹ اتر چکی تھی، اس کے بقیۃ السیف نے خروج کیا تھا، اور محمدی کچھار کے شیر اور خدائے برتر کے اسد دلیر نے ان کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے تھے اور اس مکار جماعت کو اس کے سوا پناہ نہ تھی کہ اُس شیر خدا کے حضور مکر کا جال پھیلائیں، چنانچہ ابن ملجم ایک فاحشہ کی تکمیل میں تیار ہوتا ہے اور مسجد کوفہ میں رات کاٹتا ہے۔ صبح کو سوتا ہوا بنتا ہے۔ جناب مولیٰ ادائے فریضہ کیلئے تشریف لاتے ہیں اور ایک سونے والے کو فرما کر بیدار فرماتے ہیں مگر جاگتا ہوا سونے والا ہے تو اس کی مثال بخت خفتہ کی ہے اس کو کون جگائے!

نماز شروع ہوئی تو بد بخت اٹھا اور اس مبارک فرق اقدس پر زہر آلود تلوار سے ضرب لگائی جو نذر مولیٰ تعالیٰ برسوں ہو چکا تھا اور اعلان فرما چکا تھا کہ میری اشیائے محبوب سے الحرب بالسیف بھی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ القتل بالسیف یعنی مجھ کو کفار کا قتل پسند ہے کہ تمنائے شہادت کا اس لفظ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ غازی بننا اور شہید نہ ہونا میدانِ محبت میں قدم رکھنے والے کے نزدیک بزدلی ہے۔ اسی بناء پر فرمایا الحرب بالسیف مجھے پسند ہے کہ بد بختوں سے ممارسہ ہو اور فتح و نصرت یا شہادت جو چاہے میری قدم بوسی کرے اور از آنجا کہ شہادت حیاتِ ابدی ہے لہٰذا اس کا احتمال اس لفظ میں قوی ہے۔ شہزادگان اسلام سادا تنا حسنین علی جدہما وعلیہما معہ الصلوٰۃ والسلام شاہ ولایت کو دولت سراء میں لے گئے، شربت میں حاضت کیا گیا فرمایا کہ ابن ملجم مہمان آیا ہوا ہے اس کو پہلے پلا دو پھر مجھ کو دینا۔ اللہ اللہ یہ مہمان نوازی کہ قاتل خبیث بھی اس سے محروم نہ چھوڑا جائے۔ یا مولیٰ۔

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

یہ ہے الخدمت للضیف کا اعلیٰ ترین و بے نظیر عملی ثبوت کہ بشریت جس کے سمجھنے سے عاجز ہے۔

بد بخت ابن ملجم شربت کو زہر سمجھ کر اس نعمت سے محروم رہتا ہے۔ مولیٰ فرماتے ہیں کہ عذاب کا مستحق ہو چکا ورنہ پی لیتا تو ہم مہمان نوازی کو اتنے ہی پر ختم نہ فرماتے بلکہ ہولناک دن یعنی قیامت میں شفاعت فرماتے۔

اب ارشاد والصوم فی الصیف کی حقیقت ملاحظہ ہو کہ عرب کا گرم ملک ریگستانی سرزمین خشک پہاڑوں کی شعلہ افشانی خط استوا سے ایسا قریب کہ آفتاب کی حدّت آگ برساتی ہے۔ کوفہ کی گرمی عرب میں ضرب المثل ہے زمانہ بھی وہ ہے کہ جس کو پرانے زمانے کا ہندوستانی جیٹھ بیساکھ کیلئے رمضان المبارک کا برگزیدہ اور مقدس مہینہ ہے حضور مولیٰ والصوم فی الصیف کی محبت فرما رہے ہیں۔ مبارک مہینہ کی ۱۸ ر تاریخ کو یہ واقعہ گذرا ۱۹، ۲۰ تاریخ کا روزہ مولیٰ کا تیمار رہا۔ ۲۱ ر کو حضور نے روزہ کی حالت میں شہادت پائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون صلی اللہ تعالیٰ علی نبیہ و علیہ معہ و بارک وسلم۔

ہم کو انہیں اوراق میں جن مذکورہ واقعہ سے عظمت صیام پر روشنی پڑتی ہے ایک اور عظیم الشان اور بشریت سے بالاتر واقعہ ملتا ہے اور واقعہ بھی اسی گھر کا ہے اور اسی ملک کوفہ کا۔

میرا مقصود اس سے ۶۰ھ کا واقعہ ہے جس کو مؤرخین واقعہ کربلا کہتے ہیں، اگر چہ رمضان المبارک کا مہینہ نہیں ہے مگر جلتا میدان تپتی ہوئی گرمی ہے۔ نبوت کا برگزیدہ گھرانہ لوٹا جاتا ہے، اہل بیت کا لہلہاتا باغ اُجاڑا جاتا ہے۔ ننھی ننھی جانیں نشانہ بنائی جاتی ہیں، جو ان ہستیاں ذبح کی جا رہی ہیں۔ اعوان و انصار پے در پے شہید ہو رہے ہیں۔ پھر ۷ ر سے ۱۰ ر تک (چار دن تک) محمدی گھرانہ روزہ کی مہمان داری فرماتا رہا اور مظلوم فرزند رسول کے حیات دنیاوی و ظاہری کا آخری دم روزہ کی حالت میں نکلا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون صلی اللہ تعالیٰ علی جدہ و علیہ معہ و بارک وسلم۔

جب ہم ان واقعات کو دیکھتے اور پھر اپنے زمانہ پر نظر کرتے ہیں۔ تو دل پُر درد آہ نکلتی ہے۔

سر کنم نالہ اگر تاب شنیدن داری

آہ صد آہ! ہماری اعمالیاں اور اسلام سے غفلتیں اس درجہ بڑھی ہوئی ہیں کہ افسوس مقدسہ کو اپنا اسلاف قرار دینا ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔ یہ حضرات اگر آج اپنی قبروں سے نکل پڑیں تو ہم کو دیکھ کر دور بھاگیں اور ایک سیکنڈ کیلئے ہم کو مسلمان قرار نہ دیں۔

ہم نے وہ رنگ بدلا ہے اور اپنی شکل اتنی بگاڑی ہے کہ ارکین اسلام پہچان نہیں سکتے۔

کچھ ایسا رنگ بدلا ہے کہ پہچانے نہیں جاتے

یہ میرے دل کے ٹکڑے ہیں یا تیرے تیر کے ٹکرے

آہ! وہی روزہ جو حکمت عملیہ کا سرچشمہ ہے جو خاندانِ نبوت کا پیارا ہے، وہی آج ہمارے لئے مصیبت اور قہر ہو گیا ہے۔ دو پیسہ کے نفع کیلئے ہم دس کوس کا چکر لگائیں، دو روپیہ کیلئے دن بھر بے آب و دانہ رہیں مقدمہ کی تاریخ میں فاقہ سے بسر کرے جائیں۔ سب کچھ آسان بلکہ روزمرہ ہے۔ لیکن رمضان المبارک آیا تو اگر ایک قرآن پہلے شعبان سے منضج تیتے اور رمضان میں مسہل لے کر شرم دنیا کے سبب بیہودہ عذر پیش کرتے تھے تو اب تو خوفِ خدا کے ساتھ ساتھ شرم دنیا کو بھی رخصت کر دیا جائے۔ دکھا دکھا کر کھانا پینا پان چبانا حقہ کھینچنا کوئی عجیب ہی نہیں رہا اور کتنے روزہ دار ہیں کہ دل بہلانے کیلئے لہو و لعب میں دن کاٹتے ہیں۔ غرض مسلمانان در گور مسلمان در کتاب کے مثل ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مسلمان اور اپنا بندہ اور اپنے محبوب کا غلام بنالے۔ آمین

عید کیا ہے

عید چیست؟ یہ ایک سوال ہے جس کے جواب کی ذمہ داری ہراس فرد پر ہے جو یکم شوال المکرّم کو عید قرار دیتا ہے۔ یکساں طور پر ہے اور چونکہ یکم شوال کو عید کہنا، اسلامی اصطلاح ہے، لہٰذا یہ بالکل ٹھیک ہے کہ اس سوال کے جواب کا بار صرف دوش مسلم پر ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہر سوال و جواب کی نوعیت دو طرح کی ہوتی ہے اور اسلام کی ہر تعلیم کا انہیں دونوں شعبوں سے تعلق ہے۔ ایک نام علم اور دوسرے کا عمل ہے۔

مسائل اعتقادیہ مثلاً توحید باری، حقانیت، رسالت، صداقت، کتب آسمانی، قیامت و بعث ونشر وغیرہا مسائل جن کا مان لینا اور مان کر پورے یقین کے ساتھ ایمان لانا، اسلام کی تعلیم ہے۔ ان مسائل کا تمام تر تعلق شعبۂ علم سے ہے کہ چند چیزیں معلوم ہوگئیں اور ان کے معلوم کرنے سے جوارح واعضاء کا کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

اور دوسرا شعبہ ان مسائل کا مجموعہ ہے جن کا علم محض ناکافی ہے اور جن کی تعلیم کا دارومدار عمل پر ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، کہ اگر ان کی فرضیت کا اعتقاد مسائل علمیہ سے ہے۔ تو ان کی ادائیگی بالکل عمل پر موقوف ہے اور اعضاء وجوارح اس حکم کے مامور علیہا ہیں۔ تم جب مسائل اسلامیہ کے علمی وعملی شعبے کی تلاش کروگے تو ایسے کثیر مسائل پاؤگے۔ جن کے دو پہلو ہیں اور ہر جداگانہ پہلو کو جداگانہ شعبوں سے تعلق ہے۔

خلافت وامامت کے مسائل میلاد و فاتحہ کے جزئیات موالات ومنافرت کے مسئلے وبچو تم اُمور کے ابحاث دیکھو گے تو دونوں رخ ان میں پاؤگے۔

گہری نگاہ کا فیصلہ ہے کہ یکم شوال المکرّم کو عید قرار دینا اسلام کی ان تعلیمات میں شمار ہے، جس کے دو رُخ ہیں اور ایک رخ علم کے متعلق ہے تو دوسرا عمل کے۔ اور ''عید چیست'' کا مکمل جواب وہی جواب ہے جس میں دونوں رخ کو صاف کر دیا جائے۔ یہاں پر بھی عرض کردوں کہ جس طرح جو سوال مسائل علمیہ کے دریافت کیلئے ہو۔ اس کے جواب میں علمی نقطہ پیش کیا جاتا ہے اسی طرح عمل کے متعلق جو سوال ہو۔ اس کا جواب میدان عمل میں دیا جائے اور اگر اس کا لحاظ نہ رہا تو جواب مبہم اور ناقابل تبلیغ و نامکمل۔ بلکہ ایک حد تک انصاف کو جواب ہوگا۔

یوم العید کی جن چیزوں کے استحسان ومنّت و وجوب کا اعتقاد ضرور ہے۔ اس کی تفصیل طولانی ہے اور علمی مسائل بحمد اللہ تعالیٰ ایسے مخفی نہیں ہیں جن کے دریافت کرنے میں اتنی عجلت کی جائے جتنی اس کی عملی تصویر کے نظارہ میں تعمیل کی حاجت ہے۔

ہم نے ان ابحاث کو دیکھا ہے جن میں کسی سوال عمل کے جواب میں دفتر کا دفتر لکھا گیا ہے اور اس عمل کی تصویر کشی میں خوبصورت الفاظ اور شاندار لغات سے کام لے کر سائل کو مرعوب کیا گیا ہے، لیکن اسلام اور اس کے ساتھ انصاف ان جوابات کو یک گو نہ کافی خیال کرتا ہے اور اسلامی طریق استدلال اس کمزوری سے پاک ہے۔ اسلام ہمیشہ اپنی برکات کا سادگی کے ساتھ مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ جس کے بعد انکار و تردد کی بنیاد صرف کفر پسندی و ناحق کوشی رہ جاتی ہے۔

اب شاید مجھے اس کے کہنے کا حق ہو گیا کہ ہر مسلمان کو اپنے عملی نظام اوقات سے عید چیست؟ کا جواب دینا چاہئے۔

اب آؤ اور عید کے دن اسلامی دنیا کا نظارہ کرو۔ ننھے ننھے بچوں کی شوخیاں نئے نئے اور اچھے لباس کی بھڑک گھر گھر سویوں وغیرہ کی پخت، عید گاہ یا جامع مسجد میں غیر معمولی مجمع، سائلوں کی جھمگٹھا مصافحہ و معانقہ خرید و فروخت وغیرہ اُمور سے جو کچھ مسرت منائی جاتی ہے۔ اسی تزک و احتشام کا نام عید ہے اور یہی سین (Scene) عید چیست؟ کا جواب ہے۔

لیکن اگر یہ جواب وہی جواب ہے جو اسلامی تعلیم کے ماتحت پیش کیا گیا ہے تو یکم شوال کی وہ عظیم الشان خصوصیت جس کی اسلامی دنیا معترف ہے ہر روز شادی کی محفلوں، خوشی کے جلسوں میں جذب ہوتی جاتی ہے اور یوم العید کے امتیاز کا نشان دھندلا سا ہو رہا ہے۔

آہ! ہم مسلمان ہیں اور دعویٰ اسلام میں ہماری زبان لکنت نہیں کرتی۔ لیکن جب کسی عمل اسلامی کا چہرہ ہمارے طرزِ حیات میں تلاش کیا جاتا ہے تو مایوس کن اور شرمناک مناظر کے سوا کچھ سامنے نظر نہیں آتا۔

ہمارے بزرگوں کے قریب الایام واقعات میں جود و سخا کی ایسی مثالیں موجود ہیں جن سے یوم العید کی خصوصیت کس قدر نمایاں ہوتی ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ اسلام کا سادہ اور خوشنما عملی چہرہ اس آئینہ میں دیکھا جائے۔ جس کو محدثین "قرونِ اول" اور فقہاء "عہد رسالت" اور مؤرخین "زمانہ ابتدائے اسلام" کہتے ہیں مدینہ منورہ میں عید کا دن آ گیا ہے۔ تمام رات گھر گھر عید کی آمد آمد منائی جا رہی ہے بچے خوشی میں سوتے نہیں کہ جلد صبح ہو اور اچھے اچھے لباس پہنیں، شفیق والدین اس مسرت میں اپنی اولاد کے شریک حال ہیں۔ صبح ہوئی تو جلدی سے نہا دھو کر لڑکوں نے عمدہ عمدہ کپڑے پہنے۔

بڑوں نے چھوٹوں کو سنوارا اور خود بھی نہا دھو کر تیار ہو گئے۔ قریش و انصار، ہر قبیلہ کے بچے گھر سے نکلے، اور بچپن کی شوخی کے ساتھ باہمی ہنسنے بولنے لگے۔ فرزندانِ اسلام مل کر عید گاہ کو جا رہے ہیں لڑکوں کے قدم سب سے آگے بڑھتے ہیں۔ یہ قافلہ ایک گلی میں ہو کر گزرتا ہے وہاں ایک بے کس بچہ، غمگین صورت کھڑا لڑکوں پر حسرت بھری نگاہیں ڈال کر آہیں کھینچ رہا ہے۔ سب لڑکے اس کو عید گاہ جانے کو کہتے ہیں۔ مگر خدا جانے اس دعوت میں کیا اثر ہے کہ وہ بچہ سن کر آبدیدہ ہو جاتا ہے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر سب بچے آگے بڑھ جاتے ہیں اور بچپن کے تقاضے سے اس کیفیت کو نذرِ تغافل کرتے ہیں۔ یہ مختصر سا قافلہ سامنے سے گذر گیا۔ مگر حسرت زدہ بچہ وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔

اس عرصہ میں اس تصویرِ غم کے سامنے ایسی نورانی شعاعیں چمکیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ آفتابِ عالم کا طلوع ہونے والا ہے۔ خوشبو کی وہ لپٹ آئی جس سے پتہ چلتا تھا کہ عطر خدا ساز، اس راستہ سے نکلنے والا ہے۔ غمگین بچہ دیکھتا ہے کہ حضور سیّد عالم رحمتہ اللعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اور دستِ شفقت اس کے سر پر پھیر کر فرماتے ہیں کہ "اے فرزند تو آج کیوں غمزدہ بنا ہوا ہے۔"

بچہ! واابتاہ وابتاہ!!

بچے نے اپنے باپ کو ایسی ٹھنڈی سانس لے کر یاد کیا کہ رحمت بھرا قلب نازک بے چین ہوگیا اور حسرت زدہ بچہ کو گود میں لے کر فرمایا کہ "اے فرزند اپنا حال بیان کر۔"

بچوں کی عمر کا تقاضہ ہے کہ شفیق و مہربان کو پاکر پھوٹ پھوٹ کر روتے ہیں اور حال دل صاف صاف کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ اس نے عرض کی کہ اے مہربان ابھی پار سال کی بات ہے کہ میرا باپ زندہ تھا اور یہی عید کا دن تھا کہ ہزاروں ناز کے ساتھ مجھ کو سارے عرب کے لڑکوں سے پاکیزہ اور عمدہ لباس پہنایا تھا اور انگلی پکڑ کر عیدگاہ تک لے گیا تھا۔ لیکن افسوس کہ فلاں جنگ میں اس کا سایہ میرے سر سے اُٹھ گیا۔ اب میں یتیم ہوں اور کوئی میرا سہارا نہیں ہے۔ آپ میرے میلے اور پھٹے کپڑوں کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ میرا اترا ہوا چہرہ حضور ﷺ کے پیش نظر ہے، میری لاچاری میرے حال سے ظاہر ہے۔ یہی غم ہے جو بے تاب کیئے ہوئے ہے۔ اس داستان غم کو بھولی صورت اور بچہ کی زبان سے سن کر "رحمت عالم" بے حد متاثر ہوئے اور گود میں لیئے دولت خانے پر تشریف لائے۔ سیّدہ زہرہ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے جان پدر حسنؓ اور حسینؓ کی طرح ایک لڑکا میں تم کو دیتا ہوں۔ اس کو شہزادوں کی طرح نہلا دھلا کر ساتھ ساتھ عیدگاہ بھیجو اور اپنے گھر اس کے گھر سمجھو۔ چنانچہ حضرت سیّدہ نے ایسا ہی کیا۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی پوچھے "عید چیست؟" ہمدردی است۔ غرباء پروری است و بندگی الٰہی است۔

یہ وہ جواب ہے جو اسی قرن میں عملاً دیا گیا تھا۔ جس قرن میں یکم شوال المکرّم کو یوم العید قرار دیا گیا تھا اور یوم العید کی یہ وہ خصوصیت ہے جو روحانیت کو مسرور کرتی ہے اور وہ لوگ جنہوں نے ایک ماہ کامل بھوک پیاس کے شدائد کا مقابلہ کیا ہے اور رات دن کے عیش کو تج کر دیا ہے اور یکم شوال کو اس روحانی لطف کے ساتھ عیدگاہ میں شکر گزار ہونے آئے ہیں۔ ایسوں کے لئے بشارت ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ ایک ایک کو مغفرت کی دستاویز عطاء فرماتا ہے۔

اور وہ لوگ جو رمضان شریف کے روزے سے محروم رہے۔ فسق و فجور میں پورا مہینہ کاٹا اور اس مقدس مہمان کی میزبانی نہ کی ان کا عیدگاہ آنا اور عید کے دن اچھے کپڑے پہننا، ایک شرمناک بناوٹ ہے۔ جس کی کوئی قدر آسمانی حکومت میں نہیں ہے!!

یادگار منانا......شرعاً کیا ہے؟

ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زندہ قومیں ان کی قومیت کی شیرازہ بندی جس کے ہاتھوں سے ہوچکی ہے اس کی یادگار مناتی ہیں اور اس کو اپنی زندگی کا بیمہ سمجھتی ہیں دنیا نے مان لیا ہے کہ جو قوم اپنے محسنوں کو بھول گئی تو زندگی نے ساری قوم کو بھلا دیا اور موت کے منہ میں ڈال دیا یہ قومیت کا فطری جذبہ نہ کسی دلیل نقلی کا محتاج ہے نہ برہان عقلی کا اس کا تعلق صحیح انسانیت اور درستی ہوش و حواس سے ہے جو افرادِ محسنین قوم کی یادگار منانے سے چڑنے لگتے ہیں تو ان کو دنیا نے نہ صرف یہ کہ قومیت سے خارج کردیا بلکہ انہیں ایک خاص قسم کا پاگل سمجھ لیا گیا ہے۔

یادگار منانا چونکہ ایک فطری جذبہ ہے لہٰذا اسلام جس کا دوسرا نام ہی دینِ فطرت ہے اس میں اس جذبہ کو اُجاگر رکھنے کی تعلیم اپنے روحانی انداز میں بہت صاف وصریح ہے جو قرآن عظیم میں ارشاد ہوا و ذکر ھم بایام اللہ اللہ تعالیٰ کے دنوں کو یاد دلاتے رہو۔ تو یوں تو سب دن اللہ کے ہیں۔ مگر کچھ ایسے بھی دن ہیں جن دنوں کو خاصانِ حق نے خصوصیات عطاء فرمادیں اور جن کی یاد سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے۔ جس کے اذن وعطاء نے اس کو سنوار دیا، ایسے دن جس کی بدولت حاصل ہوں اس کا گویوم ولادت سے وقت وفات تک کا ہر دن اور وفات سے حشر تک کا ہر دن و للاخرۃ خیر لک من الاولیٰ والے آقا کی وسعت دامان میں پلتا ہی رہتا ہے اور بڑھتا ہی رہتا ہے۔ مگران سارے دنوں میں انتخاب قدرت یومِ پیدائش و یومِ وصال و یوم حشر ونشر ہے۔

یادگار منانے پر اعتراض اور جواب:

چونکہ بات ایسی آپڑی ہے جس کا زیادہ واضح کردینا ضروری ہوچکا ہے لہٰذا اس سلسلے میں چند منٹ میں آپ کے اور لوں گا واقعہ یہ ہے کہ کہ پچھلے سالوں میں شہر بہرائچ کے ایک فرقہ وارانہ اجتماع میں مدرسہ دیوبند کے مہتمم نے عید میلادالنبیؐ منانے والوں پر جارحانہ حملے کرتے ہوئے کہا تھا کہ کسی شخصیت کی اہمیت تاریخ اس کی پیدائش کی تاریخ میں نہیں کیونکہ پیدائش تو اچھوں اور بروں کی ہوتی ہی رہتی ہے۔ یہ عید میلادالنبیؐ ایک غیر عاقلانہ اور غیر شرعی چیز ہے اگر یادگار منانی ہے تو اس تاریخ کی یادگار منائی جائے جب نبی کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) نے اظہار نبوت فرمایا اور کار نبوت شروع فرمادیا تھا۔

بات ایسے انداز میں کہی گئی اور لہجہ ایسا بھولا تھا کہ سطحی طور پر بعض دماغ واقعی بھول میں پڑگئے تھے لیکن ابھی ان کے پیغام کے ۲۴ گھنٹے کی زندگی نہ ملی تھی کہ میں شہر برائچ گیا وہاں تعلیم یافتہ ومتدین صف اول کے لوگوں نے مجھ سے اس کا تذکرہ کیا اور جواب کے

طالب ہوئے۔ میں نے چند گھنٹے کے بعد وہاں ایک عظیم الشان اجتماع کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ عید میلاد النبی کو غیر عاقلانہ کہتے ہوئے اگر سب قوموں کی تاریخ دماغ سے نکل گئی تھی تو اس چشم دید چیز سے آنکھیں کیوں بند ہو گئی تھیں کہ آج جس بغل میں ان کے فرقے کی اکثریت پل رہی ہے اور جہاں جینتی اور مرتیو منانے میں عبادت گزارانہ اسپرٹ کے ساتھ شرکت کی جاتی ہے کیا اس نے عقل کو اتنی روشنی نہیں بخشی۔ قوموں نے یوم میلاد و یوم ممات کے منانے ہی کو قومی حق مانا ہے۔

یادگار منانے پر قرآن حکیم سے دلیل:

قرآن کریم نے اپنے معجزانہ انداز روحانی میں مسئلہ کی اہمیت کو اس طرح اُجاگر فرمایا ہے کہ جو لوگ قرآن پاک کی تلاوت کا شرف اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ اس کو سمجھیں اور اس کو ہدایت کی روشنی جان کر اپنے کو سنواریں اگر ایسے لوگوں کا سایہ بھی راہ چلتے مہتمم مذکور پر پڑ گیا ہوتا تو یوم ولادت اور یوم عرس منانے پر جو غیر اسلامی کہہ کر حملہ کر دیا ہے اس کی جرأت نہ کر سکتے۔

قرآن کریم میں مقبولان درگاہ حق کے لئے یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ **سلام علیه یوم ولد و یوم یموت ویوم یبعث حیا** ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے اس کی پیدائش کے دن اور ان کے وصال کے دن اور جب وہ میدان حشر میں اٹھیں گے اور اسی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا واضح بیان مذکور ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے میری پیدائش کے دن اور میرے وصال کے دن اور جب میں میدان حشر میں ہوں گا۔

کوئی بتائے کہ اگر کوئی عقل و دین کا بوکس ہی سہی قرآن کو بادل ناخواستہ اپنے دنیا ہی کے لئے سہی لیکن کلام الٰہی کہنے پر مجبور ہو اس کو کیا حق ہے کہ نص قطعی قرآنی کا رد صرف اپنے جذبہ عناد کی بناء پر کرے جو اللہ والوں سے اس میں وراثتاً چلی آ رہی ہو بالکل ظاہر ہے کہ خادمان حق کی ہر گھڑی جب سے زمانے کی تخلیق ہوئی اور جب تک سلسلہ زمان رہے گا ایسی ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے آیا درود شریف کا جملہ اسمیہ اس دوام و استمرار کو ظاہر فرما رہا ہے۔ ہمارے آقا رسول پاک کو مخاطب بنا کر صاف کہہ دیا گیا کہ **وللاخرة خیر لک من الاولیٰ** ہر پچھلی ساعت سے اگلی ساعت آپ کی بہتر ہے بایں ہمہ دوامی و استمراری دور کے پورے عہد مبارک میں خود اللہ ربّ العزت جل وعلا اس اولوالعزم رسول ﷺ نے تین دن کو انتخاب فرمایا یوم پیدائش یوم وصال و یوم حشر و نشر قرآن کریم میں ایسے ایام کو ایام اللہ بھی فرمایا گیا اور حکم دیا گیا کہ: "**وذکرھم بایام اللّٰہ**" ایام اللہ کی یادگار مناؤ یقیناً اللہ والوں کا دن اللہ کا دن ہے غرض آیات قرآنیہ نے تعیین تاریخ کو معاذ اللہ بدعت ضالہ کہنے والوں پر جا بجا طمانچے مارے ہیں اور دین فطرت نے ہماری فطرت سے ہم کو روکا نہیں بلکہ اس کو اہمیت عطا فرما کر یادگار منانے پر مامور فرمایا ظاہر ہے کہ ہر اہمیت رکھنے والی شخصیت کی اہمیت دیکھ لینے کے بعد وہ دن یاد آ جاتا ہے۔ جب کہ اس نے سب سے پہلے زمین پر قدم رکھا پھر وہ دن اہمیت رکھتا ہے جب اس نے دوسرے عالم کا سفر کیا جس کو دیوبندی گروپ کے صف اول کے لوگ جینتی مرتیو منانا کہتے ہیں اور مسلمان اس کو یوم میلاد و یوم عرس کہتے ہیں اور مناتے ہیں یہ

خیال رہے کہ تعین و تخصیص ان اللہ والوں کے لئے جو انبیاء علیہم السلام ہیں عبارۃ النص ہے یعنی دونوں کے لئے قرآن کی نص قطعی منصوص ہے۔

بات میں بات نکلتی ہے یہاں جملہ معترضہ سن لیجئے کہ قرآن کریم میں خاصانِ خدا کیلئے تین وقتوں کیلئے تعین فرمائی گئی ہے جو منائی جائے یوم میلاد جیسا کہ ہم مسلمان میلاد شریف کی محفل کرتے ہیں دوسرے یوم وصال جیسا کہ ہم مسلمان اعراس بزرگان دین کرتے ہیں لیکن تیسرا یوم حشر ہے جب کہ مقبولان بارگاہ الٰہی کی شفاعت فرمانے کا دن ہوگا اور اس کو یادگار منانا ہمارے بس کی بات نہیں یہ وہ خود ہم پر کرم فرما کر منائیں اور انشاء اللہ تعالیٰ منائیں گے تو قرآنی تعبیر یہ ہوئی کہ مسلمانو! تین دن ہیں ان میں پیدائش و وصال منانا تمہارا کام ہے اگر تم اس یادگار منانے کے عادی ہو جاؤ تو تیسرا دن محبوبان خدا کی شفاعت کا دن ہے اس کے مستحق ہو جاؤ گے اور جو تمہیں کرنا ہے اگر نہ کیا تو شفاعت سے محروم رہو گے یہی دیکھنے میں بھی آرہا ہے جو ان دونوں یادگاروں کے منانے پر غم و غصہ سے بھر جاتے ہیں آج کھلم کھلا مسئلہ شفاعت کا انکار کر دیتے ہیں یا اقرار ایسا کرتے ہیں جو انکار سے بھی بدتر ہے۔ وہ انبیاء اولیاء سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں کہ قرآن میں جس کو "کمایئس الکفار من اصحاب القبور" فرمایا گیا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ ہمیں دین حق پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین

❁❁❁

لیلۃ المعراج

عازمِ عرشِ بریں نبیوں کے سلطان ہوئے

تاریخ عالم میں ایسے لیل ونہار بھی ہیں جن کی یاد شریعت اسلامیہ مصطفویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محبوب ومطلوب ہے اور جن کو قرآن کریم نے ''ایام اللہ'' کے مبارک لقب ونسبت سے عزت بخشی ہے۔ سیّدنا آدم علیہ السلام کے بے ماں باپ کے پیدا ہونا۔ سیّد نوح علیہ السلام کی نگاہ قہر پر آسمان وزمین میں تہلکہ پڑ جانا۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود کا گلزار ہو جانا۔ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کیلئے دریا کا سرک جانا اور فرعون کا غرق ہونا۔ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ کے پیدا ہونا اور بچو قسم واقعات کا ظہور جن سے قادر وتوانا کے جبروت وجبروتی حکومت کی ہیبت قائم ہوتی ہے ایسے غرائب اُمور کا وقوع جن ایام میں ہوا ہے ان کو ''ایام اللہ'' کہا گیا ہے اور حصول عبرت کیلئے ان کی یادگار قائم کرنے کا حکم قرآن میں ہے۔

اگر تم ایام اللہ کی فہرست پر ایک نظر ڈالو تو دور ہی سے ایک روشن، پیاری، برگزیدہ اور منتخب رات ملے گی جس کی سج دھج نرالی اور جس کا بناؤ سنگھار انوکھا ہے۔ جس کا مشکیں جوڑا اور جس کے رنگ روپ کی آواز زمانے میں یگانہ ہے۔ اس سہانی رات کو ''لیلۃ المعراج'' کہتے ہیں۔

خوب فرمایا:

معراج کی یہ رات ہے رحمت کی رات ہے
فرحت کی آج شام ہے عشرت کی رات ہے
ہم تیرہ اختروں کی شفاعت کی رات ہے
اعزاز ماہ طیبہ کے رویت کی رات ہے
پھیلا ہوا ہے سرمہ تسخیر چرخ پر
یا زلف کھولے پھرتی ہیں حوریں اِدھر اُدھر

دل سوختوں کے دل کا سویدا کہوں اسے
پیر فلک کی آنکھ کا تارا کہوں اسے
دیکھوں جو چشم قیس سے لیلیٰ کہوں اسے
اپنے اندھیرے گھر کا اُجالا کہوں اسے

یہ شب ہے یا سواد وطن آشکار ہے
مشکیں غلاف کعبہ پروردگار ہے

اس رات میں نہیں یہ اندھیرا جھکا ہوا
کوئی گلیم پوش مراقب ہے یا خدا
مشکیں لباس یا کوئی محبوب دلربا
یا آہوئے سیاہ یہ چرتے ہیں جابجا

ابر سیاہ مست اُٹھا حال وجد میں
لیلیٰ نے بال کھولے صحرائے بخد میں

یہ رات کچھ اور ہے یہ ہوا ہی کچھ اور ہے
اب کی بہار ہوشربا ہی کچھ اور ہے
روئے عروس گل میں صفا ہی کچھ اور ہے
چھبتے ہوئے دلوں کی ادا ہی کچھ اور ہے

گلشن کھلائے باد صبا نے نئے نئے
گاتی ہے عندلیب ترانے نئے نئے

یادگار لیلۃ المعراج

اس لفظ میں عجیب وغریب اثر ہے کہ بے ساختہ دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ رحمت فرمائے۔ حضرت شہید عشق مولانا صوفی محمد حسین الہ آبادی رحمتہ اللہ علیہ پر رحمت اللہ کی جو سرزمین ہند پر اس یادگار کی شادابی وترقی کی بے مثل ومثال چھوڑ گئے۔ ان لوگوں سے قطع نظر کرلو جن کے پاس اسلام محض ادعا ہے تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ عید معراج کا جواز واستحسان مسلمان کا اجماعی مسئلہ ہے جس میں عرب وعجم کا اتفاق ہے اور حق یہ ہے کہ اس پر مسرت یادگار کے حقوق اب تک دنیا ادا نہ کرسکی اور نہ کبھی ادا کرسکتی ہے۔ مشہور ہے کہ الہ آباد اور کانپور میں یہ خوب منائی جاتی ہے اور بلا شبہ بہت کچھ منائی جاتی ہے۔ مجمع کی کثرت علماء کے مواعظ، شہر کی سجاوٹ پنڈال کا بناؤ بہت خوب ہوتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ سرکار عالی مدینہ طیبہ میں یہ عید خوب ہوتی ہے اور لاریب خوب ہوتی ہے۔ اہل مکہ بلکہ حجاز وشام کا شدرحال کر کے حاضر دربار ہونا محمل شاہی کا حاضر ہونا، غلاف شریعت نذر کرنا، ساری رات مسرتوں میں کاٹنا اور واقعہ معراج کا ہر زبان پر طاری ہونا محفلیں کرنا، خیرات لٹانا، عمدہ عمدہ لباس پہننا، شاہی اہتمام وانتظام اور روشنی کا فزوں سے فزوں تر ہونا۔ غرض جو کچھ ہوتا ہے بہت خوب ہوتا ہے مگر آؤ اور دیکھو کہ وہ سب سے پہلی اس واقعہ کی رات کیسی تھی اور اس کی آمد کس ناز وادا سے وہ ہوتی تھی۔ سبحان اللہ

بھیگی ہوئی رات آبرو سے
داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے
جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
گویا کہ نہا کے آئی ہے فی الحال
اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام
شبنم کی ردا بقصد احرام

ہاں ہاں وہ رات ہے جس میں کعبہ کی سربلندی اور مکہ کی آئینہ بندی ہو رہی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا خلیفہ اور مولیٰ کا سب سے زیادہ پیارا وہ ہماری ایمانی آنکھوں کا تارا وہ کونین کا دارین میں آسرا خواب ناز میں ہے جس کے گھر کا نام حرم اور جس کے گھوڑے کا نام براق ہے اور جس کے خادم کا نام سیّدنا جبرائیل علیہ السلام ہے اور جس کی مملکت کا نام کونین اور جس کے پامال قدم کا نام عرشِ اعظم ہے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ
فقیروں کا ملجا، اسیروں کا ماویٰ
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
وہ دکھ درد میں سب کے کام آنے والا

سیّدنا المرسلین خاتم النبیین اس انجمن دنیا کے صدر نشین پرنور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت اُم ہانی کے کاشانۂ دولت میں (جو حرم کعبہ کی دیواروں میں رکن یمانی کے مقابل باب ابراہیم وعمر کے درمیان واقع ہے اور محفوظ ہے آرام فرمارہے ہیں۔ سیّدنا جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوتے ہیں مگر غیر معمولی خدمت کیلئے، غیر معمولی طریقہ حاضری اختیار کرتے ہیں۔ چھت ٹوٹی ہے۔ آرام گاہ میں پہنچ کر محبوب کو مشغول راحت پاتے ہیں۔ جبین نیاز کو روشن تلوؤں سے لگاتے ہیں۔ سچ ہے:

اولیاء چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستہ تیرا
اصفیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

کافوری اثر ہے جو اسی دن کے لئے تھا ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ ٹوٹی چھت کی حالت عرض کرتی ہے کہ آج حجابات ظاہری توڑے جائیں گے۔ جبرئیل امین علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ قاصد ہوں، دعوت نامہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ سامان تیار ہے صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انتظار ہے۔ غسل فرمایا جنت کا شاہانہ جوڑا زیب تن فرمایا، باہر تشریف لائے، ملاحظہ فرمایا کہ آسمان وزمین بقعہ نور ہے سامنے فرشتے صف بستہ مؤدب کھڑے ہیں کہ شہنشاہ کو دیکھ آداب شاہانہ بجالائیں۔ رسل ملائکہ تیار ہیں کہ کونین کے دولہا کے جلو میں رہیں۔ جنتی براق بصد طمطراق ہزاروں کنوتیاں بدلتا ہے اور اپنی خوش بختی پر پھنہناتا ہے کہ عرش نشیں آج اپنی پامالی کی عزت بخشنے والا ہے۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس منظر کے مشاہدہ سے رحمت بھری آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ جبریل امین علیہ السلام نے عرض کی یا حبیب اللہ! یہ وقت مسرت وصال کا ہے، راز ونیاز کی گھڑی آرہی ہے۔ قرب کا زمانہ سامنے ہے، ایسے میں رونا کیوں اختیار کیا؟ فرمایا اے جبرئیل کیا تمہیں خبر نہیں کہ میرے وسیع دامن میں کروڑوں کی آس بندھی ہے مجھے اپنی اُمت یاد آگئی ہے۔ آج تو مولیٰ کی سرکار میں میرا اس طرح جانا ہوتا ہے کل میری نادار اُمت جو قبر سے ننگی اٹھے گی تو کس طرح منہ دکھائے گی۔ دریائے رحمت جوش میں تھا۔ ارشاد ہوا کہ پیارے آؤ اور خوش خوش آؤ تمہاری جوتیوں کے صدقہ تمہارے عاشقوں کو کل ہزاروں سامان کے ساتھ قبر سے اٹھا کر دعوت دوں گا۔ خوب فرمایا:

رحمتیں بانٹتا جس طرف وہ ذی شان گیا
ساتھ ہی منشی رحمت کا قلم دان گیا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم براق پر رونق افروز ہوتے ہیں سواری چلتی ہے، حدنظر پر دوسرا قدم پڑتا ہے۔ اس طرح وادیوں گھاٹیوں کو طے کرتے مخلوقات کا تفصیلی مشاہدہ کرتے کوہِ صیہوں کی مقدس چوٹی پر سواری رُکتی ہے اور مسجد اقصیٰ میں داخلہ ہوتا ہے۔ راستہ میں کہیں انبیاء علیہ السلام کا روحانی مجمع ہے اور باہمی سلام ہوتا ہے۔ کہیں دنیا قدموں سے لپٹنا چاہتی ہے اور نکالی جاتی ہے۔ کہیں شیطان اغوا جمیع اُمت کی تدابیر عمل میں لاتا ہے اور نامراد رہتا ہے۔ یہ کوہِ صیہوں وہ ہے جس کیلئے ازل میں آج کی عزت کا خلعت تجویز ہو چکا ہے اور سیّدنا داوٗد علیہ السلام اسی دن کی مسرت اپنے دلپذیر نغمہ میں پہلے سنا چکے تھے۔ دیکھو زبور یہاں گروہ انبیاء علیہم السلام استقبال کیلئے موجود ہے۔ ہر ایک تحیۃ وسلام کے نذرانے سیّد الانبیاء کی سرکار میں پیش کر رہا ہے اور مبارک جواب پا رہا ہے۔ اشارہ ہی اشارہ میں ہر ایک نصرت واتباع کا اظہار کر رہا ہے اور میثاقِ ازلی کا تکملہ ہو رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم امام ہو گئے ہیں اور انبیاء علیہم السلام مقتدی بنتے ہیں۔ نماز ہوتی ہے اور آسمان اور زمین دیکھتے ہیں کہ محبوب خلیفۃ اللہ الاعظم وسیّد الانبیاء کون ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم علیہم اجمعین۔ یہاں برکات خداوندی کا مشاہدہ کیا گیا اور سرِ عبادت سجدہ معبود کیلئے جھک گیا۔

یہی مضمون ہے جو قرآن ان لفظوں میں ادا کرتا ہے۔

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ انہ ھو السمیع البصیر.

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو تھوڑی سی رات میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے گرداگرد ہم نے برکت دی ہے تاکہ دکھائیں بندوں کو اپنی نشانیاں، بے شک وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔''

قرآن کریم کی یہ دوسطریں ہیں کہ آج چودہ سو برس سے ہر قرن وصدی میں تفسیریں لکھی گئیں مجلد کے مجلد تیار ہو گئے مگر سچ ہے کہ حق تفسیر ادا نہ ہو سکا۔

اعجازِ قرآن دیکھو کہ واقعہ کی تصویر کشی مخالفین کی نکتہ چینی کا دندان شکن جواب موقع اہتمام وغیرہ کثیر مضامین کو جن کیلئے ہمیں دفتر بھی کافی نہیں۔ چند لفظوں مین یہ کہہ سنایا۔

آیئے اور اس ازلی کلام کو دیکھئے جس میں دوسطر نے ہم کو دفاتر سے مستغنی کر دیا ہے اور روحانیت بھرے دلائل سے واقعہ کی صورت کو بے حجاب فرما دیا ہے۔ فرماتا ہے۔

''سبحان'' یعنی پاک ہے۔

اللہ اللہ کیا شان اعجاز قرآں ہے کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ کے تمام صفات کمالیہ سے منتخب فرما کر یہاں لفظ ''سبحان'' فرمایا گیا ہے یا

دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ مسئلہ معراج پر تقریر کرنے سے پہلے اس مضمون کا عنوان سبحان قرار پایا ہے۔

بات یہ ہے کہ سبحان کا مادہ عربی قاعدہ سے ''س ب ح'' ہے اور لغت میں اس کے معنی میں تیز رفتاری داخل ہے۔ اہل عرب ''سبح، سبوحا'' اس وقت کہتے ہیں کہ جب گھوڑا تیزی سے دوڑتا ہوا نکل جائے۔

سبحان کی سرخی نے بتادیا ہے کہ آئندہ جو مضامین بیان ہوں گے ان میں کسی خاص تیز رفتاری کا ذکر ہوگا۔ اسی مقام پر بیان کی جانے والی تیز رفتاری کے امکان کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا فرمایا ''الذی اسریٰ'' یعنی جو لے گیا۔ لفظ لے گیا کیلئے عربی میں اذہب اور ذہب کثیر الاستعمال ہے اور قرآن کریم میں جا بجا یہ لفظ آیا ہے لیکن اس کو ترک فرما کر لفظ ''اسریٰ'' اس جگہ پر فرمایا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اسریٰ اور ''اذھاب'' یا ''ذھا'' میں ایک باریک لغوی فرق ہے یعنی اگر لے جانے والا خود بھی ساتھ ہے تو ''اسریٰ'' کہا جاتا ہے اور اذھاب وغیرہ میں یہ ضروری نہیں یہاں بتایا گیا ہے کہ سفر معراج میں قدرت کی زبردست طاقت ہمراہ تھی اور لے جانے والا جانے والے کے ساتھ تھا۔

اگر تم قدرت کی زبردست آزادی اور اس کے نت نئے نرالے جلوے اور انوکھے مظاہرے کو جانتے بوجھتے محسوس کرتے ہو تو بلاشبہ تیز رفتاری کے مسئلہ کا امکان بلکہ وقوع اسی ایک لفظ سے طے ہوگیا۔ ورنہ مجھے اجازت دی جائے کہ آپ کو کسی مشہور ڈاکٹر یہ تجربہ کار حکیم کے پاس جانے کا مشورہ دوں۔ کیا دنیا میں ایسا کوئی بھی عقلمند انسان ہے کہ کمزور انسان سے اُمید رکھتے ہوئے کہ موجودہ تیز رفتار چیزوں سے زیادہ تیز رفتار چیز بھی بنا سکتا ہے۔ قدرت کو ایسا معاذ اللہ لولہ لنگڑا سمجھتا ہے کہ اس سے غیر معمولی رفتار کی خلقت سے مایوس ہے۔ اگر کوئی ایسا ہے تو مجھے اس کو انسان کہنے میں بہت تکلیف ہے۔

مسئلہ وقوع تیز رفتاری کے کامل حل کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے۔

اوّل معلوم ہوجائے کہ تیز رفتار کون تھا۔ بترتیب بتایا گیا کہ ''بعبدہٖ'' اپنے بندے کو آؤ آؤ۔ روحانی معراج کے سرمایہ داروں کا جائزہ لو اور دیکھو کہ قرآن ان کو کتنے پانی میں بتاتا ہے۔ پوچھو اور ہاں ہاں ضرور پوچھو کہ ''عبد'' کس کو کہتے ہیں، کیا بندہ سے مراد روح ہے۔ ہاں نہ کہنا ورنہ تمہارا نوکر ہر کام میں کہہ دے گا کہ بندۂ نواز روح بازار میں کام کرنے گئی ہے۔ میرا جسم خدمت نہیں کرسکتا۔ بندہ نے نوکری تو کی ہے مگر آپ تو خود کہتے ہیں کہ بندۂ روح کا نام ہے۔ پھر کیا جسم لفظ بندہ سے مراد ہے۔ ہرگز نہیں ورنہ موت کے بعد بھی نعش سے مالک کام کی فرمائش کرے گا اور عدم تعمیل کے جرم میں سزا دیا کرے گا۔ سلیم طبیعتیں سمجھ گئیں کہ عبد بندہ یا نوکر ان الفاظ کا اطلاق جسم معہ روح پر ہے اور یہی صورت مشکلات کو دفع کرتی ہے۔ قرآن کریم کے ایک لفظ نے ظاہر فرمایا کہ معراج کا سفر نہ خواب وخیال تھا نہ جنازہ برداری تھا، بلکہ معراج والے آقا کا جسم وروح دونوں ساتھ مرتبہ قرب پر فائز ہوا تھا۔ صلوات اللہ وسلام علیہ۔

مدت سفر ظاہر فرمانے کیلئے ارشاد ہوتا ہے ''لیلا'' یعنی تھوڑی رات میں، زبان عربی میں ''لیلا'' نکرہ ہے اور اس کے معنی میں کمی و قلت کی شان پائی جاتی ہے۔ اس لفظ نے جہاں قلت وقت کو صاف کردیا ہے وہاں مدعیانِ معراج روحانی پر دوسرا قہر ڈھایا ہے کہ اگر

روح کی تیز رفتاری کو اس واقعہ سے تعلق ہے۔ تھوڑی سی رات میں یہ کون سا عجب واقعہ ہے۔ جس کے بیان میں ایک ایک لفظ میں ہزاروں اہتمام رکھے گئے ہیں۔ دنیائے خواب و عالم تصور میں روح اتنی مسافت طے کرتی رہتی ہے۔ جس کے بیان کی قلت کیلئے ''لیلا'' کا لفظ بھی کافی ہے اور جس کی مقدار وہی فلسط کا جذ والاتجیری ہے۔ کیا قرآن کریم کو کلامِ الٰہی مانتے ہوئے لفظ ''لیلا'' سے روحانی معراج کی تائید کرانا اس معجزنما کلام مقدس سے مضحکہ نہ کہا جائیگا۔

احادیث صحیحہ نے ''لیلا'' کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ واپسی پر زنجیر مبارک متحرک اور بستر شریف گرم تھا۔ باقی رہا یہ مرحلہ کہ مسافت سفر کتنی تھی اس کے متعلق کہا گیا: ''من المسجد الحرام الی المسجد اقصیٰ'' مسجد حرام سے مکہ معظمہ کا دوسرا نام ہے اور اس پر عامہ اہل اسلام کا اتفاق ہے اور مسجد اقصیٰ جمہور کے نزدیک بیت المقدس سے تعبیر ہے۔ لیکن محققین کا ایک مقدس گروہ مسجد اقصیٰ کا دوسرا ترجمہ کرتا ہے ان کے نزدیک مسجد کے معنی مقام سجود ہے اور اقصیٰ کا ترجمہ منتہےٰ ہے یعنی وہ منتہائے مقام سجود جس کے بعد مکان عالم امکان میں عمر موجود ہے اور ایسا مقام عرشِ اعظم ہے۔ اس تحقیق پر مقدار مسافت مکہ سے شروع ہو کر عرشِ اعظم پر ختم ہوتی ہے۔ اس کی تائید میں آگے کے یہ الفاظ پیش کئے جاتے ہیں ''الذی بارکنا حولہ'' وہ مسجد اقصیٰ جس کے گرداگرد ہم نے برکت دے رکھی ہے۔

کہتے ہیں کہ مسجد بیت المقدس کی برکت و عظمت پر ایمان ہے لیکن اس کے گرد و پیش کے برکات منصوص نہیں ہیں لیکن عرش اعظم کے ماحول مقربین ملائک کی جبہ سائی انوار و برکات کی کثرت شریعت نے ظاہر فرمادی ہے۔ لہٰذا اس مقام پر مسجد اقصیٰ عرشِ اعظم کا مرادف ہے۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ مسجد اقصیٰ سے اس مقام پر یقین عرشِ اعظم ہی مراد ہے اور نہ محققین کا ارشاد ہی محض بے بنیاد ہے لیکن اتنے حصہ پر اجماع ہے کہ مسجد حرام سے بیت المقدس تک کا سفر منطوق ہے اور سفر کے اتنے حصے سے انکار کرنا صریح بے دینی ہے۔ بقیہ سفر کو بھی قرآن کریم نے دوسری جگہ ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ

''قریب ہوئے تو نزدیک پہنچے پس دو کمانوں کی مقدار تھی بلکہ اس سے زیادہ قریب ہوئے۔''

جمہور آئمہ اسلام نے جن کے خلاف کہنا سخت جہالت اور خرق اجماع ہے۔ اس آیۂ کریمہ سے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آسمانی سفر مراد لیا ہے۔

چنانچہ اسی سلسلہ کلام میں اس عبد مقدس ''روحی لہ الفدا'' کا تذکرہ جس کے سفر معراج کی تصویر کشی قرآنی تم ابھی پڑھ چکے ہو یوں فرمایا ہے:

فاوحی الی عبدہ ما اوحی

''پس سکھایا اپنے بندے کو جو کچھ سکھایا اللہ نے۔''

اللہ کیا وجد میں لانے والا ارشاد ہے یعنی قادر مطلق کے اختیار و قدرت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فداابی وامی کے استعداد و قابلیت کا تصور کرو اور خود سمجھ لو کہ مالک نے کتنے علوم دیئے ہوں گے، اور محبوب نے کس قدر زیورِ علم سے اپنے کو آراستہ کیا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وفور علم کے منکرین یا قادر کی قدرت پر ایمان نہیں رکھتے یا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں قابلیت و استعداد کی نسبت کی کمزور جانتے ہیں۔

ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

خوب کہا ہے:

لکھے نہ پڑھے جناب والا
شاگرد رشید حق تعالیٰ

بات دور جا پڑی کہنا صرف اس قدر تھا کہ ایک طرف لفظ عبد کو دونوں آیتوں میں یاد رکھو دوسری طرف احادیث شہیرہ ومرویہ صحاح پیش نظر رکھو تو آسمانی معراج کے منکرین پر ضلالت کا فتویٰ آئمہ اسلام کی حق پسندی پر مبنی ہے۔

کسی سفرنامہ کی تکمیل جب تک غایت سفر بیان نہ کردی جائے، ناقص ہے۔ قرآن کریم نے انہیں دو سطروں میں اس کو بھی واضح کردیا ہے اور فرمایا ہے "لنریہ من آیاتنا" تاکہ دکھائیں ہم اس بندہ کو اپنی نشانیاں عربی قائدہ سے آیات جمع ہے اور ضمیر متکلم کی جانب مضاف ہے اور اصول میں مبرھن ہو چکا ہے کہ ایسی صورت میں استغراق کے معنی پیدا ہوتے ہیں اور لفظ "من" کا یہاں بمعنی بعض ہونا غیر منقول ہے اس بناء پر آیہ کریمہ کا منشایہ ہوا کہ سفر معراج تمام قدرتی نشانیوں کے معاہدہ کے لئے ہوا تھا۔

گذشتہ اوراق کے اس مضمون کو یاد کرو کہ جناب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم میں جہاں اس بلند و بالا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل واکمل قابلیت کو دخل ہے وہاں قدرت قادر طلق کامل واکمل جلاوعلا کا ظہور ہے اور جس طرح قدرت کے لئے تعلیمی نقصان عیب ہے جبکہ تعلیم کا ارادہ ہو اسی طرح طریقہ تعلیم کی کمزوری بھی نازیبا ہے۔ لہذا کیا گیا وحی سے زیادہ قومی طریقہ اختیار اور ما کان وما یکون کا مشاہدہ کرادیا گیا جو اعلیٰ ترین طریقہ تعلیم ہے اور اسی مشاہدہ ومعائنہ کے لئے وہ اہتمام کیا گیا جس کو لکھا مضمون دوہراتا ہے۔

ختم مضمون پر ارشاد ہوتا ہے "انہٗ ھوا السمیع البصیر" بے شک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اس ارشاد کا انداز بھی عجیب و غریب ہے اس میں ضمیر ہے جس کا مرجع یا الفاظ عبد ہے یا لفظ سبحان ہے اور ہر اعتبار سے معنی جداگانہ ہیں اور صحیح محمل پر ہیں اور ایسی حالت میں اصولیین کے نزدیک دونوں معنی معتبر و منصوص ہوتے ہیں اگر مرجع لفظ عبد ہے اور اس شق کو ترجیح قرب کے سلسلے سے حاصل ہے تو آیت کا ترجمہ ہوگا کہ بے شک وہ بندہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے اس خاتمہ بیان میں مدعیان مزاج روحانی کی مزید خبر گیری ہے کہ یہ سفر نوعِ روح وجسم کا ہوا تو سکنہ وغفلت کا بھی میں شائبہ نہ تھا بلکہ مسافر نواز معراج والا، آقا آواز کو سنتا اور ہر مرئی کو دیکھتا جاتا تھا۔

صلوٰۃ اللہ وسلام علیہ وسلم آلہ واصحابہ اجمعین اور اگر مرجع ضمیر سبحان ہے تو معنی یہ ہوتے کہ "بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے" اور اس کو تمام انداز قرآنی سے ترجیح ہے۔

جن لوگوں کو تلاوت قرآن کریم کا فہم معنی کے ساتھ شرف حاصل ہے ان کو اس فقرہ میں اگر مضامین سابقہ کے اعتبار سے اجنبیت معلوم ہو تو مقام تعجب نہیں ہے قرآن کا طریقہ بیان ہے کہ جس مقام پر جس واقعہ احکام وغیرہ کو بیان کیا ہے اور اس موقع پر حضرت حق جلا وعلا کی جس صفت کمال کا تعلق ہے اسی صفت سے مولیٰ تعالیٰ کی صفت کی جاتی ہے۔

اس انداز کلام کا تقاضہ تھا کہ واقعہ معراج کے بعد قدرت مطلقہ کا بیاں ہوتا اور فرمایا جاتا "واللہ علیٰ کل شی قدیر" لیکن اس صفت کو ترک فرما کر صفت سمع وبصر کو بیان کرنا، جس کو واقعہ معراج سے بظاہر کوئی تعلق نہیں ظاہر میں نگاہوں میں بالکل اجنبی ہے۔ فرمان کے اس ٹکڑے کے ذوق حاصل کرنے میں آپ کو جانبازان عشق کے آستانہ پر حاضری کی تکلیف دوں گا اور سرمستان بادہ و حدت کی نیاز مندی کی طرف دعوت دوں گا۔ ہاں ہاں کیا آپ کا دل محبت سے خالی ہے! کیا آپ نے مجازی محبت کا مزا بھی نہیں چکھا۔ محرموں سے بحث نہیں ورنہ اقل درجہ باپ اور بیٹے، ماں اور فرزند کی محبت کا تماشا کون ہے جو رات دن نہیں دیکھتا۔ اگر تم کو کبھی اس منظر کا لطف حاصل ہوا ہے کہ پیارا فرزند یا کوئی محبوب سفر کر رہا ہے اور چاہنے والی آنے فراق کے زمانے اور ستانے والی جدائی کی گھڑیاں یاد کر کے آبدیدہ ہو کر کہہ پڑتی ہے کہ اے مسافر جا بخیریت جا اللہ ترا محافظ ونگہبان ہے۔ مجھے خدا کو سونپا جو تیری بات کا سننے اور دیکھنے والا ہے۔ تو تم کو اس جملہ کا صحیح مطلب کھل جاویگا کہ سفر معراج درپیش ہے۔ رات کا وقت ہے اعزاء واقرباء موجود نہیں ہیں۔ احباب سو رہے ہیں۔ کون الوداعی ایڈریس پڑھے۔ کون رخصتی کے کلمات کہے۔ کون خدا حافظ ونگہبان کہے۔ اس وقت کا سفر بھی طویل ہے۔ راستہ دیکھا نہیں ہے۔ منزلیں نامعلوم ہیں۔ مسافت کا پتہ نہیں ہمراہی غیر جنس ہیں۔ ماں باپ ہوتے تو فال نیک کے کلمات بولتے۔ اعزاء واقرباء ہوتے تو باطمینان رخصت کرتے احباب ہوتے تو رفاقت ہی کرتے۔ ایسے وقت ازلی محبت کے دریا میں جوش پیدا ہوتا ہے اور اس کی ایک ایک لہر پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔ اے مسافر زمین وآسمان مبارک ہو۔ "اللہ ھو السمیع البصیر" گھبراؤ نہیں وہ اور ہاں تمہارا چاہنے والا وہی مولیٰ تمہارا نگہبان وحافظ ہے۔ تمہاری ہر بات کا سننے والا اور ہر کام کو دیکھنے والا ہے یہ کارخانہ محبت کا جلوہ ہے کہ خود بلاتے ہیں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اپنے پاس لے جاتے ہیں۔ خود رخصت کرتے ہیں اور خود ہی میزبان بھی ہیں یعنی آسمانی سفر میں ہر آسمان پر جشن استقبال درجات جنت وطبقات دوزخ کا معائنہ جبریل علیہ السلام کی رفاقت کا قطع ہونا، رحمت وجلال کا اُبھار، ہیبت وجلال کا رعب، قرب خاص، شفاعت، امت کامل، وصال راز ونیاز، عطائے خلعت، فرضیت نماز وروزہ وغیرہ۔ ہر عنوان مبسوط تحریر کا متقاضی ہے اور قصیدہ معراجیہ حضور امام اہلسنّت وجماعت رحمۃ اللہ علیہ نے طول تحریر سے مستغنی کر دیا ہے۔

کس شان سے دو جہاں کا سرور
پہنے ہوئے حلہ منور
کھولے ہوئے گیسوئے معنبر
باندھے ہوئے شملہ معطر
با زینت و جاہ شوکت و فر
گھوڑے پر چلے سوار ہوکر
ادریس مقیم چرخ اخضر
بولے کہ قسیم حوض کوثر
گر بر سر و چشم من نشینی
نازت بکشم کہ ناز نینی
الصلوٰۃ وسلام علیک یا نبی اللہ
یا حبیب اللہ یا حبیب اللہ

مجذوب شیرازی

زمانہ کی نیرنگیوں اور عقیدت کی کمزوریوں کا آج وہ وقت آ گیا کہ جن ذی ہوشوں کو حق و ناحق کی تمیز نہیں، جن خوش فہموں کو صدق و کذب کا امتیاز نہیں، جن سمجھ والوں کو عقیدت و بدعقیدگی کا فہم نہیں، جن کے عقائد کی تاریکی اور اعمال کی سیاہی نے شب دیجور کو شرمندہ کر رکھا ہے اور ہاں اس چودہ صدی کے وہ بے بصر لوگ نہ اپنے کرتوت دیکھیں نہ اپنے دل کی کمزوریوں کا احساس کریں۔ مگر جب زبان زوری و بے لگامی کے جوہر دکھانے پر آئیں تو اپنے خانہ ساز عرش عزت کے حضور خاصانِ حق و محبوبانِ درگاہ مطلق کے ایک ایک فرد کو صف ولایت بلکہ جماعت صالحین سے نکال نکال کر مملکتِ ولایت پر قابض و دخیل ہو جائیں۔

ہندوستان میں تم کو ایسی نشستیں بہت ملیں گی جن میں کہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، کی تقلید و حنفیت پر حملے ہیں تو کہیں ان کے رجوع کردہ اقوال پر مطاعن کی بوچھاڑ ہے کسی جگہ حضرت سرمدؒ کے شطحیات پر نکتہ چینی ہے تو کہیں منصور حلاج کی حالت سکہ پر دریدہ وہنی ہے انہیں بزرگوں میں جن کی سرکار میں منہ زوری اور بدلگامی سخن فہمی و زبان دانی کا جوہر ہو گیا ہے۔ حضرت لسان الغیب حافظ شیرازیؒ بھی ہیں اور آج ہم انہی بزرگ کی جنبہ داری میں کچھ اپنے ناظرین سے عرض کریں گے۔

جس دل و دماغ میں اسلامی تعلیمات کے انوار کی جھلک ہے اور جن کو سلف صالحین و اموات مسلمین کے ادب کا لحاظ ہے اور جورات دن قرآن کریم کی اس دعا پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ **ولا تجعل قلوبنا غلا للذین آمنو۔** الٰہی! ہمارے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ نہ ڈال تو ان کو معلوم ہے کہ تذکرے اور مسلمان مردوں کی یاد میں اسلام کو نکتہ چیں و عیب میں نگاہ پسند نہیں ہے بلکہ اسلام کو نظر ہنر بیں اور ذکر محاسن و محامد ہی پسند ہیں کہ اب ان کا معاملہ اپنے رب سے ہے۔ اگر وہ گرفتاروں سے ہیں تو ان کا رب قہار و جبار و غفور و رحیم ہے اور تم کو ان کی بدگوئی غیرت الٰہیہ کو جوش پر نہ لائے اور پنجۂ گرفت میں تم خود نہ آ جاؤ۔

یہ تو عام طور پر اسلام کی سادہ تعلیم ہے اور ہر مسلمان میت کا زندہ مسلمانوں پر حق ہے کہ اس کا ذکر خیر ہی کریں اور اس کی خوبی پر گواہ بن کر اپنے مستقبل میں آنے والی نسل سے خود اس کے مستحق ہو جائیں اور حضرات اولیاء اللہ و مقبولان درگاہ کا مرتبہ علیہ و درجہ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔ ان کا ذکر خیر باعث نزول رحمت و سبب سعادت و برکت ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

تنزل الرحمة عند ذکر اولیاء اللہ

اولیاء اللہ کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

حیرت تو یہ ہے کہ حیاتِ معترض کے نظام اوقات میں ایک منٹ بھی اپنے عقائد اعمال پر نکتہ چینی کا نہیں ہے۔ منکر نے اپنی زندگی میں ایک ساعت کیلئے بھی اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کیا ہے۔ لیکن پھر بھی جنت وجہنم کے ٹھیکیدار اور نیک وبد کے ذمہ دار بزعم خود بن کر اگلے مسلمانوں کو معاذ اللہ بد اعمال کہنا اور کہلانے کی کوشش ان کا شیوہ ہے۔ اس کو فرعونیت کے سوا اور بھی کچھ کہا جا سکتا ہے؟

اس سے زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ہندوستان میں کتنوں نے نبوت کا ادعا کیا۔ الوہیت کی ڈینگیں ماریں، دربار الوہیت و سرکار رسالت میں سڑی سڑی گالیاں بک کر روسیاہی اختیار کیں۔ یہ سارے کفریات وضلالت ہندوستان کے روز مرہ نہیں معترض بھی ناواقف نہیں ہے۔ مگر کبھی زبان وقلم سے اس کے خلاف ایک حرف نہ نکلا۔ کبھی بے دینوں کو توبہ کی دعوت نہ دی۔ کبھی مسلمانوں کو ان سے بچنے کی ہدایت نہ کی، بلکہ یہ ساری گستاخیاں گویا شیر مادر ہوگئیں کہ پی گئے اور ڈکار تک نہ لی۔ زندوں کی مروت اور جتھے کی ہیبت نے دین کی پاسداری سے ہٹا دیا۔ اور صلابت ایمانی کو سلب کرلیا۔ وہ قلم جو اسلاف کا ترکہ تھا ٹوٹ گیا اور وہ زبان جو کفر شکن اور ارتداد اُفگن تھی گونگی ہوگئی مگر جب بزرگان دین وسلف صالحین کا نام آیا تو منہ سے زہر اُگلنے لگے اور قلم سے نامہ اعمال سیاہ کرنے لگے۔ "فواعجباه و احرتاه." ہیہات ہیہات کے کفر ومشرکین کیلئے دعائے مغفرت کی جائے مجلس عزا مرتب ہو۔ مرتدین کے ذکر ارتداد سے یہ کہہ کر روکا جائے کہ وہ مرگئے اور ایک مسلمان اور کیسا مسلمان جو بلند پایہ بزرگ اور صاحب جذب کامل ہے۔ اس کے خلاف دل میں خطرہ لانا کیا چیز ہے۔ زبان سے جو منہ میں آئے بک دیا جائے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

سچ ہے کہ جن قلوب میں حضرت الوہیت کی تقدیس وتنزیہ اور سرکار رسالت کی عظمت وجبروت کی گنجائش نہیں ہے ان میں اربابِ ولایت کا کیا گزر ہوسکتا ہے۔ حضرت حافظ......لوگوں سے فرماسکتے ہیں کہ:

مانجی اللہ والرسول معا من لسان الوریٰ فکیف انا

لطف یہ ہے کہ ان تمام زبان درازیوں اور سخت کلامیوں کو سرمایہ معترض کی اعلیٰ قابلیت اور بے مثل نکتہ سنجی کے سوا اور کچھ نہیں ہے دیوانِ حافظ ان کے سامنے ہے۔ تب میکدہ، کعبہ، شراب، مے، بتخانہ، صنم وغیرہ وغیرہ الفاظ ہیں۔ اور لے دے کر غیاث وصراح لغت کا سرمایہ ہے دِراور بَر کا ترجمہ میاں جی نے بتادیا تھا۔

می گوید می آید کو گلستان و بوستان میں پڑھ چکے تھے بس ترجمہ کرنے بیٹھ گئے اور فیصلہ کردیا کہ حافظ پکے شراب خور اور خواہش پرست وفریفتہ دنیا وبد اعمال تھے۔

ان بیچاروں کو کیا معلوم کہ عارفوں کے کلام میں ان الفاظ کے کیا معنی ہوتے ہیں ان کو کتب متصوف دیکھنے کا اتفاق ہوا اور نہ لغت تصوف سے کچھ واقفیت ہے اور اپنی نادانی اور جہالت کا اعتراف کرتے شرم آتی ہے کہ ادعاء علم کا بھرم جاتا رہے گا لہٰذا حافظ شیرازی ہی کو ملزم قرار دیا اور اپنی استعداد وفہم پر نظر نہ کی۔ یعنی اپنی آنکھوں کا شہتیر نہ دکھائی پڑا اور صاف آنکھوں میں خواہ مخواہ تنکا بتانے لگے۔

مجھے بدایوں اور لکھنؤ کے ایسے لوگوں سے واقفیت ہے، جو حضرت حافظ کے خلاف جو چاہتے ہیں بکتے ہیں لیکن اگر ان سے پوچھے

کہ حافظ کے خلاف آپ سے پہلے کسی نے کچھ کہا ہے۔ کسی معتبر شخص نے ان پر جرح کی ہے کسی متدین نے ان پر کوئی الزام لگایا ہے کسی مقدس ہستی نے دامن حافظ کو آلودہ معصیت بتایا ہے کسی معاصر نے ان کے اعمال کی خرابی پر کچھ روشنی ڈالی ہے تو جواب میں ایک مہر سکوت ہے جو توڑے نہیں ٹوٹتی ایک غیر معمولی خاموشی جو ختم ہی نہیں ہوتی۔ ہاں معترض کا ذاتی اجتہاد سننا چاہو تو ایک دفتر طویل اور شیطان کی آنت یا سلسلہ غیر متناہیہ ہے کہ ''زبان کے خندق'' کو ندپھاند کی آراضی کا سراہی نہیں ملتا اور سرمایہ صرف اس قدر جس کا سابقہ سطور پر میں پتہ دیا گیا ہے۔

ولاحوله و لاقوة الابالله العلی العظیم

برخلاف اس کے حضرت حافظ کی تعدیل وتوصیف میں ایک ایسی برگزیدہ تحریر موجود ہے جسکے خلاف قلب میں خطرہ لانا بھی محرومی و بے برکتی ہی کی نشانی ہے اور جس کے سامنے اسلامی دنیا کا سر نیاز مدتوں سے جھکا ہوا ہے اور وہ کتاب مستطاب ''لطائف اشرفی'' ہے یہ بزرگ کتاب حضرت قدوۃ الکبریٰ غوث العالم محبوب یزدانی مخدوم سلطان سیّد اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ ارضاہ عنی کی ملفوظات ہے۔ جس کو حضور سلطان سیّد اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا نظام الدین غریب یمنی نے پچاس سال کی مسلسل صحبت وخدمت میں مرتب فرما کر نذر خدمت کیا تھا اور حضرت مخدوم نے لفظ لفظ ملاحظہ فرما کر حسن قبول کا شرف عطاء فرمایا تھا اور اسی بناء پر اس عظیم الشان کتاب کی تصنیف عام لوگوں میں حضرت مخدوم کی طرف منسوب ہے اور بلاشبہہ اس نظر سے دیگر بزرگوں کے ملفوظات سے اس کا درجہ مقام استدلال وانتساب میں بہت بلند وبالا ہے۔

اس نورانی کتاب میں حضرت حافظ کا تذکرہ بہت آیا ہے۔ جس کا استعیاب ذرا دشوار اور وقت طلب ہے کہیں مسائل توحید اور عقائد صوفیاء کا بیان ہے اور مقام استدلال میں حافظ کا شعر ہے۔

کہیں ارباب ولایت کے حالات عجیبہ ومقاماتِ غریبیہ کا ذکر ہے اور موقع احتجاج پر حافظ کی نظم ہے کہیں فرمایا گیا ہے کہ ''کہ حافظ یکے از نیاز منداں ماست کہیں ارشاد ہوا'' مدتے بایں فقیر نیاز مندی می داشت ایک جگہ پر ان کا خاص تذکرہ ان لفظوں میں ہے۔

شمس الدین محمدن الحافظ ویرا بحضرت قدوة الکبریٰ مصاحبت واقع شده بسیار پسندیدند. خیال که بایں معنی درچند جا اشعار رفته است وے فی الحقیقت اویسی بوره مجذوب طور میگشت مرشد وے حاجی قوام سخنان دیے چناں بلند معنی افتاده اند که هیچکس را ازیں طائفه آنچناں واقع نشد حتی که سخنان وے را لسان الغیب می گویند وفات وے درسنه اثنین و تسعین و سبع مائة بود قیل درسنه ثمانیه و تسعین وسبع مائة والاخیر اصح ا ه ملخصاً.

اللہ اکبر ایک غوث کا ہم نشین و نیاز مند وصحبت یافتہ ایک قطب کا محبوب وپسندیدہ ایک صاحب جذب کامل واہل ارادت ایک

بلند پایہ وحق شناس وعارف حقیقت ایک عدیم النظیر و بے مثال صوفی ایک بزرگ ولسان الغیب وولی آج چند نادانوں اور بے علموں کی مجلس کا اضحوکہ نقل ہو گیا ہے اور نہ بدن کا رونگٹا کھڑا ہوتا ہے نہ جسم کی کھال جنبش کرتی ہے۔ بیشک بیشک اقتربت الساعۃ قرب قیامت میں ایسا ہی کچھ ہوگا کہ غیرت الٰہی زمین کی آبادی نہ دیکھ سکے گی۔ ایک غوث تو فرمائے۔ حافظ کا کلام اس درجہ بلند معنی ہے کہ کسی صوفی کا کلام ایسا نہیں ہے اور آج "از اور در" کی حقیقت نہ جاننے والے بھی اس بلند کلام کے پایہ کو اتنا گرادیں کہ بلندی در کنار حافظ کے اسلام میں کلام ہونے لگے۔ اگر یہ گمراہی نہیں ہے تو کیا ضلالت کے سر پر سینگ ہوتی ہے۔ اگر لطائف کا ارشاد اسی نظر سے دیکھو کہ معاصر کی تعدیل وتوصیف ہے تو بھی اصول تاریخ بناء پر حضرت حافظ کا دامن غبار اعتراض سے صاف ہی رہے گا اور اگر اسلام کی کچھ غیرت ہے اور فرمانِ غوث کو اس نگاہ سے دیکھ سکتے ہو کہ جس کےخلاف دل میں کھٹک بھی پیدا نہ ہو تو میں تو کیا کہوں ایک بزرگ پنجابی نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اب حافظ کی عظمت کے خلاف خیال بھی کرنا نہ صرف محرومی و بے برکتی بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

والعیاد باللہ تعالیٰ عنہ انشاء اللہ تعالیٰ

دعا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ پچھلوں کے دلوں کو اگلوں کا کینہ نہ فرمائے۔ (آمین)

تقویٰ القلوب

شیخ المشائخ حضرت شاہ سیّد علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ (متولد ۲۲؍ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ۔ متوفی ۱۱؍رجب المرجب ۱۳۵۵ھ) کے ایک مرید و مسترشد او مشہور مبلغ اسلام میر غلام بھیک نیرنگ معتمد عمومی جمیعت تبلیغ السلام رحمۃ اللہ علیہ انبالہ (پنجاب) نے بتاریخ ۴؍دسمبر ۱۹۲۵ء محدث اعظم ہند حضرت مولانا سیّد محمد اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ (متولد ۱۵؍ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ۔ متوفی ۱۶؍رجب المرجب ۱۳۸۱ھ) کی خدمت عالیہ میں مندرجہ ذیل استفتاء نامہ ارسال کیا۔

بخدمت ابوالمحامد مولانا سیّد محمد صاحب محدث اشرفی!

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اس وقت ابن سعود کی حمایت میں بعض لوگوں نے فتویٰ اور تحقیقی مضامین بھی شائع کئے ہیں۔ جن کا مفاد یہ ہے کہ جو آثار مکہ معظمہ میں منہدم کئے گئے ہیں بروئے تاریخ وحدیث وسیران کی کوئی اصلیت نہ تھی۔ پانچویں چھٹی صدی میں لوگوں نے ان کو بنالیا تھا۔ ان میں مشرکانہ حرکات ہوتی تھیں اس واسطے ان کا توڑ ڈالنا نہ صرف مباح تھا بلکہ واجب تھا۔ قبروں کو پختہ بنانا یا بلند کرنا ان پر عمارات وقبہ تعمیر کرنا قبروں پر چادریں اور غلاف ڈالنا سب کچھ بروئے احادیث واقوال فقہا حرام ہے اور جن عمارات کا وجود معصیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرادف ہے ان کا گرانا حدیث "من رای منکن امراً منکر فلیغیرہ بیدہ" کی تعمیر اور واجب ہے۔ لہٰذا ابن سعود نے جو کیا درست کیا۔ وہ محی السنہ ہے اور ہرگز ہرگز قابل ملامت نہیں۔

میں سب تحریریں جمع کرکے آپ کی خدمت میں اس لئے بھیجتا ہوں کہ آپ اس مضمون پر ایک محققانہ تحریر مرتب فرما کر مجھ کو عنایت فرمائیں۔

والسلام
بندہ غلام بھیک نیرنگ
۴؍دسمبر ۱۹۲۵ء

حضرت محدثِ اعظم ہند نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ اس استفتاء نامہ کا جواب تحریر فرمایا جو ایک سو اکیس صفحات پر مشتمل ہے اور کتابی شکل میں بنام "ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب" مطبع اشرفی ٹانڈا (ضلع فیض آباد یو۔پی) سے اس کی طباعت ہوچکی ہے۔

مخدوم ومکرم حضرت مولانا سیّد جیلانی محامد کچھوچھوی مدیر اعلیٰ ماہنامہ المیزان دہلی نے اس حکم کے ساتھ مذکورہ نایاب کتاب کی فوٹو اسٹیٹ کاپی عنایت فرمائی کہ آپ تفصیلی طور پر اس کا ایک علمی تعارف تحریر کردیں تاکہ اس المیزان کے محدث اعظم نمبر میں شریک اشاعت کرلیا جائے۔ چنانچہ میں اپنی سعادت سمجھتے ہوئے چند صفحات حاضر خدمت کررہا ہوں اور دعا ہے کہ رب کائنات اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقہ وطفیل میں میری اس کاوش کوشرف قبولیت سے نوازتے ہوئے اسے سامانِ بخشش اور ذریعہ نجات بنادے۔ آمین

حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی نے اپنی اس محققانہ کتاب تقویٰ القلوب میں جن تین شخصیات اور ان کی تحریروں کوگفتگو کا موضوع بنایا ہے۔ وہ یہ ہیں۔

- ...... مفتی کفایت اللہ شاہجہان پوری۔ الجمعیت دہلی۔ ۲؍ستمبر ۱۹۲۵ء
- ...... سیّد سلیمان ندوی۔ زمیندار لاہور۔ جلد ۱۲ شمارہ ۱۹۳۔ ۱۱؍صفر ۱۳۴۴ھ
- ...... خواجہ عبدالحیٔ فاروقی استاذ تفسیر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔ ہمدرد دہلی، جلد ۲۔ شمارہ ۱۹۸۵۔ ۶؍صفر ۱۳۴۴ھ

''ان مؤیدین ابن سعود کے مؤقف کا ذکر کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں۔'' آپ کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی کہ اس بلند و بالا دعویٰ کیلئے ان فتاویٰ میں جو کچھ سرمایۂ ثبوت ہے وہ صرف قبہ جات ومقابر و ماثر کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ ہے۔ مولوی سلیمان صاحب ندوی نے انہدام مساجد کے جواز پر بھی ایک جدید تحقیق فرمائی ہے اور بس اسی جواز وعدم جواز کی بحث کرکے ابن سعود کی صفائی کردی اور مولوی کفایت اللہ صاحب نے صاف کہہ دیا کہ...... ابن سعود کوسب وشتم کرنا اور ہدف ملامت بنانا جائز نہیں ہوگا اور اس سے زیادہ صاف تصریح کردی کہ ''ہمیں جہاں تک معلوم ہوا ہے ابن سعود کے عقائد اور اعمال میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو ان کو قابل الزام قرار دے۔''

مجھے اس امر کا توشبہ نہیں گذرتا کہ ان مولوی صاحبان کو اخباری دنیا سے بے خبری ہے اور وہ پے در پے کم از کم بیانات حجاج و اعلان قمر احمد صاحب (رکن مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی) وشوکت علی صاحب (برادر مولانا محمد علی جوہر) سے ناواقف ہیں اور غیر ملکی اخبارات اور اہل ہند کے کثیر اشتہارات تک ان کی نظر نہیں پہنچی اور نہ اسی کا واہمہ ہوتا ہے کہ ان صحیح واقعات کے باور کرنے میں ان کا ضمیر کچھ بھی شک وتردد کرسکتا ہے اور بھلا ان مولوی صاحبان کے متعلق اس قسم کے شک ووہم کے گنجائش کہاں ہے حالانکہ یہ نہ صرف مولوی صاحب ہیں بلکہ لیڈرانِ قوم کے افراد سے بھی سمجھے جاتے ہیں۔

سیاسی مجالد کی صدارت اور سیاسی وفد کی ریاست ان کو دی جاتی ہے اور میدان سیاست میں ان کا قدم کسی لیڈر محض سے کم نہیں رہتا۔ اخبارات ان کی زندگی کا جزؤ لاینفک ہیں اور یوٹرک کی معمولی معمولی خبروں پر بلا تحقیق وبلا ارسال وفد وبلا شہادت مسلم مسئلہ خلافت میں یہ لوگ شور مچانے میں سب سے آگے رہے ہیں اور آج بھی مسئلہ موصل ومسئلہ ریف میں یہی رویہ قائم ہے کیونکہ مظالم ابن

سعود کی جانچ کیلئے جو معیار تجویز کیا گیا ہے وہ اگر ہر موقع پر بحال رہے تو مولوی صاحبان کے طور نہ یورپ میں کوئی مہابھارت ہوئی نہ ترکی میں کوئی انقلاب ہوا، اور نہ موصل میں کوئی جھگڑا ہے نہ ریف کوئی جنگ ہے، بلکہ سب ریوٹر کا ایک تھیٹر ہے جس کو دنیا کے تماشہ کیلئے تیار کیا گیا ہے۔

مجھے ان مولوی صاحبان کی باخبری پر پورا اعتماد ہے اور اگر ان کو اس کا یقین ہے کہ ابن سعود، ریاض سے چلا طائف پر قابض ہوا حرم شریف میں داخل ہوا تو ابن سعود کے مظالم کا علم بھی ان کو ضرور ہے کیونکہ ابن سعود کے اقتدار اور اس کے مظالم کے معلوم ہونے کے ذرائع تقریباً ایک ہی ہیں۔ (ص ۷۔۸، تقوی القلوب)

بعض حجاج نے جو یقینی واقعات اور چشم دید حالات ہندوستان آ کر بیان کئے ان کے بارے میں آپ فرماتے ہیں۔ ''بہر حال اب حالت منتظرہ ختم ہو چکی اور چشم دید شہادتوں نے جن اُمور کو ظاہر کیا ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

- ...... مسلمان جوان، بوڑھوں، بچوں کا قتلِ عام طائف میں ہوا۔
- ...... مسلمانوں کے مال و متاع کی عام لوٹ کھسوٹ ہوئی اور کفار کے مالِ غنیمت کی طرح اُس میں سے خمس نکالا گیا۔
- ...... دفائن کے احتمال میں مسلمانوں کے مکانات کا انہدام عمل میں لایا گیا۔ عورتوں کے ساتھ بے حیائی برتی گئی۔
- ...... مسلمانوں کو امان دے کر بند دروازہ کھلوا کر انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔
- ...... مسلمان مقتولین شہداء کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر اوندھے میں کھینچا اور کافر و مشرک و نجس کہا۔
- ...... قبۂ اقدس حضرت خیر الامت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ و دیگر مقابر مسلمین کا گستاخانہ انہدام کیا گیا۔
- ...... قبہ حضرت آمنہ خاتونؓ۔
- ...... قبہ حضرت میمونہؓ۔
- ...... قبہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ
- ...... جنت معلیٰ کے سب قبوں کو مسمار کرایا۔
- ...... تمام مقابر حتیٰ کہ کھود کر ایک ساتھ کر اوس میں گولیاں چلائی گئیں۔
- ...... مولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔
- ...... مولد حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔
- ...... مولد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھود کر برابر کر دیا گیا۔ اور مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب خانہ کی جگہ بنائی اور قاضی نجد نے اس کا جائز بتایا۔
- ...... مسجد جن

- ...... مسجد بلال
- ...... مسجد جبل ابوقبیس
- ...... مسجد جبل نور
- ...... مسجد کوثر
- ...... مسجد المرسلات
- ...... اور مسجد قربان گاہ شہید کردی گئی
- ...... اہل مکہ عام طور پر نجدیوں کی سختی اور ان کے مظالم سے نالاں ہیں، اور نجدیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔
- ...... نجدی عام طور پر مسلمانوں کو مشرک اور کافر کہتے ہیں۔
- ...... انہی سختیوں کے ماتحت حجاج کے سامنے دومرتبہ ہڑتال ہوئی۔
- ...... جنت معلّٰی جانے کی اجازت مانگنے پر بید سے مار کر مسلمانوں کو بھگایا۔
- ...... مولدالنبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کی اجازت نہ ملی۔
- ...... خلافت کمیٹی والے جو حاجیوں کے ساتھ گئے وہ ابن سعود کے مہمان رہے۔
- ...... عرفات کے خطبہ مسنونہ کو نجدیوں نے بند کرادیا۔
- ...... وظائف واورادو تعظیم ودرس کیلئے مسجد حرم شریف میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے اور کتاب دلائل الخیرات چاک کر کے پاؤں سے روندی جاتی ہے اور کتاب التوحید چھپوا کر تقسیم کی جاتی ہے۔
- ...... نجدی طواف بیت اللہ شریف مستعمل جوتے پہن کر کرتے ہیں۔
- ...... صلی علی النبی کہنے والے اور درود شریف پڑھنے والے پیٹے جاتے ہیں۔
- ...... صفاء ومروہ کے درمیان نجدی پیشاب وپاخانہ کرتے ہیں۔
- ...... حرم شریف کے دروازوں میں نجدی اپنے گھوڑوں اور گدھے باندھتے ہیں۔
- ...... اونٹوں کا کرایہ ٹھہرا کر حاجیوں سے بارہ بارہ روپیہ اور زائد وصول کیا۔
- ...... خلافت کمیٹی کا بھیجا ہوا فنڈ صرف نجدیوں میں تقسیم ہوا۔
- ...... اہل مکہ اس سے خوش ہوئے کہ حاجیوں کے ذریعہ سے مظالم ابن سعود عالم آشکار ہوجائیں گے۔
- ...... چرچا ہے کہ امام یحیٰ نجدیوں سے اہل مکہ کو نجات دلائیں گے۔
- ...... اہل مکہ ہر اُس حکومت کے ساتھ ہیں جو نجدیوں کے مظالم واقتدار سے انہیں بچائے۔

۞...... نجدی بالکل وحشی اور تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔

یہ مشتے نمونہ چالیس نمبر ہیں اور اگر چہ اُن میں دو تین نمبروں کا تعلق مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی سے ہے، جس کو ابن سعود کے افعال میں بالکل شمار نہ کیجئے۔ لیکن بقیہ جن نمبروں کا لگاؤ براہِ راست نجدیوں سے ہے وہ کچھ کم نہیں۔(ص:۵۔۵، تقویٰ القلوب)

غرض ان تمام حرکات سے مولوی صاحبان واقف ہیں مگر حیرت! حیرت! حیرت کہ جلیانوالہ باغ کے مقتولین کے سوگوار اور ماتمی صرف قطرات اشک یا کم از کم کلماتِ تعزیت وتلقین صبر سے بھی ہزاروں مسلمان بیوگان بے شمار مسلمان یتیموں اور کثیر مسلمان فاقہ کشوں کی ہمدردی ظاہر نہیں کرتے اور ایک نگاہ غلط بھی ان کی بیت اللہ کے پڑوسیوں پر نہیں پڑتی۔ تو پھر رحم وکرم کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

کیا سمرنا کے مظلوم بلکہ امرتسر کے مقتول سکھ ہی ان کی نظر میں خوش قسمت تھے جن کی مرثیہ خوانی سالانہ جاری کی گئی اور جن کا درد اب تک مولوی صاحبان کو بے چین کئے ہوئے ہے؟ صفاء ومروہ بلکہ مسجد حرم سے زیادہ مسجد مچھلی بازار کانپور بزرگ ٹھہری جس کیلئے گولیوں کی چادر خوشی سے قبول کی گئی اور جیل خانہ کو گھروں پر ترجیح دی گئی تھی؟(ص۹)

مزاراتِ صالحین پر قبوں کی تعمیر کے جواز پر آپ نے بڑی جامع اور نفیس تحقیق فرمائی ہے۔ جس کے چند اقتباسات آغاز بحث میں قارئین بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ آئندہ صفحات میں مؤدین ابن سعود پر تنقید اور علمی گرفت کے وقت وہ نفس مسئلہ اور اس کے متعلقات کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

''حضور سیّد عالم سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان مسقف میں مزار اقدس بنا۔ صدیق اکبرؓ نے اُس عمارت کو بحال رکھا اور خود اُس میں مدفون ہوئے۔ فاروق اعظمؓ نے اُس کی مرمت کروائی اور حضرت زینب بنت جحشؓ کے مزار پر قبہ قائم کیا اور خود قبۂ نبویہ میں مدفون ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے قبہ وعماراتِ مزار اقدس کو مزید شاندار اور مضبوط بنایا۔ تمام صحابہ اکرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس تعمیر میں حصہ لیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دیواروں کو خطرات سے محفوظ فرمادیا۔ ذوالنورین حضرت عثمان غنیؓ وحیدر کرار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت میں بھی قبۂ نبویہ اپنے حال پر رہا۔ حضرت عثمانؓ نے حکم بن عاص کی قبر پر قبہ بنایا۔ خلفاء اُمویہ وعباسیہ نے مزید تحسین وتزئین بزمانہ صحابہ کرام وتابعین عظام وائمہ مجتہدین فقہاء کی۔

امام عسقلانی، علامہ عینی، علامہ بیضاوی، صاحب مجمع بحار الانوار، صاحب جواہر اخلاطی، صاحب تحریر المختار، ملا علی قاری، صاحب درمختار، طحطاوی، صاحب تصعیم ومسائل، ومحقق دہلوی وغیرھم نے صاف صاف تصریح کردی کہ غرض صحیح وتعظیم ومعظم وراحت احیاء وغیرہ کیلئے قبہ وعمارت کی تعمیر قبور اولیاء وانبیاء پر جائز ہے۔(ص۵۹)

کون نہیں جانتا کہ حضرت امام محمد وامام ابو یوسفؒ کے اقتدار محکمہ احتساب کے زمانہ میں جبکہ حضرت امام شافعیؒ بھی موجود تھے خلیفہ ہارون الرشید نے مزار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر عمارت بنوائی اور کسی نے انکار نہیں کیا۔ یہ دوسری صدی کا واقعہ ہے۔ پھر عضد الدولہ دیلمی (متوفی ۳۷۳ھ) نے از سر نو اس تعمیر کو شاندار کیا (دیکھو ابن خلکان) یہ چوتھی صدی کا واقعہ ہے۔ طبری وابن اثیر نے

لکھا ہے کہ مزار پر انوار امام مظلوم شہید کربلا قرن اول ہی میں مرجع الخلائق ہو گیا تھا...... کتاب الثقات ابن حبان اور تہذیب حافظ ابن حجر میں ہے کہ حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؒ کی شہادت ۲۰۲ھ میں ہوئی اور اسی زمانہ میں قبر مبارک بلند پایۂ و مرجع العالم ہو گئی۔ اکابر علماء و محدثین حاضر آستانہ ہو کر دعاصحت بیماراں کرتے تھے اور فائز المرام ہوتے تھے (ص ۹۶)

آیات واحادیث واقوال ائمہ سے اہتمام مقابر و مزارات و تعمیر قبہ جات کا ثبوت:

اصحاب کہف کے مزارات سے برکت حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں نے غار پر مسجد بنوائی اور کچھ لوگوں نے محض قبہ و عمارت کی رائے دی تھی۔

فقالو ابنو علیهم بنیانا ربهم اعلم بهم قال الذین غلبو اعلیٰ امرهم لنتخذن علیهم مسجدا

دوسری آیت:

ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبیع وصلوت و مسجد یذکر فیها اسم الله کثیرا

وہ ہے جس میں حکمت جہاد پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ مساجد اور نہ صرف مساجد بلکہ گرجے اور کنائس جن کی تعمیر مسلمانوں کیلئے حرام ہے، لیکن اگر ذمی کفار کے ہوں تو مسلمانوں کو اُن کا گرانا جائز نہیں ہے بلکہ مسجدوں اور گرجوں اور خلوت خانوں کی حفاظت کیلئے جہاد کرنا چاہئے۔ یعنی مذہبی عمارتوں کو گرانا اسلام کو ناپسند ہے اگرچہ ان میں کسی کا بنانا ہی ناجائز رہا ہو۔

۞...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، بیشک تم میں سے کسی کا آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ اُس کا کپڑا جلا کر جلد و بدن تک اُس کیلئے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے۔ (رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

۞...... سیّدنا عمارہ بن حزم اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر پر بٹھا دیکھا تو فرمایا کہ اے قبر والے قبر پر سے اُتر آ، صاحب قبر کو ایذا نہ دے اور نہ وہ تجھے ایذا پہنچائے۔ (اخرجہ الطحاوی فی معانی الاثار)

۞...... مشکوٰۃ میں عمرو بن حزم کا یہی واقعہ مذکور ہے کہ قبر پر بیٹھے تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا لاتوذ صاحب القبر صاحب قبر کو ایذا نہ دے۔

۞...... سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ بیشک مجھے آگ پر پاؤں رکھنا زیادہ پیارا ہے کسی مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھنے سے۔ (رواہ طبرانی)

۞...... انہیں عبداللہ بن مسعودؓ سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ قبر پر پاؤں رکھنا کیسا ہے؟ تو فرمایا! جس طرح مسلمانوں کو ایذا دینا اس کی زندگی میں بُرا جانتا ہوں اسی طرح اُس کے مرنے کے بعد اُس کی ایذا کو برا جانتا ہوں۔ (اخرجہ سعید بن منصور فی سنہ)

۞...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔ بیشک چنگاری پر چلنا اور پاؤں سے جوتا

گانٹھنا مجھ کو قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

۞...... اور نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ہی فرماتے ہیں: مردہ کی ہڈی توڑنا اور اُسے ایذا دینا ایسا ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا۔ (رواہ امام احمد وابوداؤد وابن ماجہ)

۞...... سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اذی المؤمن فی مماتہ کاذاہ فی حیاتہ مسلمان مردہ کو ایذا دینا ایسا ہے، جیسے زندہ مسلمان کو۔ (رواہ ابوبکر بن شیبہ)

۞...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ قبرستان میں جوتا پہنے چلتا ہے تو فرمایا: اے طائفی جوتے والے اپنے جوتے پھینک۔ (اخرجہ ابوداؤد والنسائی)

۞...... محقق علی الطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں: الاتفاق علی ان حرمة المسلم میتا کحرمته حیا۔ اتفاق ہے اس پر کہ مسلمان کی عزت مردہ ہونا زندہ ہونا برابر ہے۔

۞...... ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ "المیت یتاذی بما یتاذی به الحی۔" جس بات سے زندہ کو ایذا پہنچتی ہے اس سے مردے کو بھی ایذا پہنچتی ہے۔

۞...... شامی میں طحطاوی سے منقول ہے۔ قبرستان میں جو راستہ نیا ہو اس میں چلنا بالاتفاق حرام ہے۔

۞...... ردالمحتار و بحرالرائق و درر و غنیہ و امداد و خانیہ و عالمگیری میں ہے کہ قبرگاہ میں ہری گھاس کاٹنا مکروہ ہے کہ جب تک وہ تر رہتی ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اس سے اموات کا دل بہلتا ہے اور ان پر رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ ہاں! خشک گھاس کاٹنا جائز تو ہے مگر کاٹ کر جانوروں کے پاس لے آئیں اور یہ ممنوع ہے کہ جانوروں کو قبرستان میں چرنے کو چھوڑ دیں۔

۞...... مراقی الفلاح میں ہے۔ ہمارے استاد علامہ محمد بن احمد حموی حنفی نے فرمایا کہ جوتے کی آواز سے بھی میت کو اذیت پہنچتی ہے۔

۞...... حلیہ میں نوادر و تحفہ و بدائع و محیط سے منقول ہے۔

ان اباحنیفة کرہ و طأ القبرو القعود و النوم و قضاء الحاجة علیه امام اعظم ابوحنیفہ نے قبر پر چلنے اور بیٹھنے اور سونے اور قضائے حاجت مکروہ فرمایا ہے۔

۞...... حدیقہ ندیہ میں ہے۔ والدہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے درر میں فرمایا کہ قبر کو روندنا حرام ہے جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

۞...... محیط میں ہے، قبر پر چلنا روندنا حرام ہے۔

۞...... جامع الفتاوٰی میں ہے، قبر اور جو مٹی قبر پر ہے (اگر چہ وہ قبر نہیں ہے کہ قبر تو نیچے کے حصے کو کہتے ہیں اور مٹی بالائے قبر ہے مگر) وہ میت ہی کا حق ہے تو اس (تعویذ قبر) پر بھی پاؤں رکھنا حرام ہے۔

۞...... مجتبیٰ میں ہے۔ قبروں پر چلنا مکروہ اور حرام ہے۔

۞...... شریعت الاسلام و شرح شریعت میں ہے۔ اسلامی طریقہ یہ ہے کہ قبروں کو جوتوں سے نہ روندے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ناگوار رکھتے تھے۔

۞...... امام شمس الائمہ حلوائی فرماتے ہیں۔ قبروں پر چلنا مکروہ ہے۔

۞...... امام علی ترجمانی فرماتے ہیں، قبروں کو روندنا گناہ ہے کیونکہ اگر قبر کا بالائی حصہ قبر نہیں ہے مگر قبر ہی کی چھت ہے اور قبر کی چھت میت کا حق ہے۔

۞...... نور الایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے، زیارت قبور مستحب ہے، بغیر قبروں کو روندے ہوئے۔

۞...... اسی میں ہے۔ قبروں کو پاؤں سے روندنا حرام ہے کیونکہ اس میں بے حرمتی ہے اور قاضی خان نے فرمایا کہ قبرستان میں کسی راستہ کو جان لیا کہ نیا ہے تو اُس میں نہ چلے۔

۞...... علامہ اسمٰعیل نابلسی حاشیہ درر و غرر میں فرماتے ہیں۔ زیارت قبور اور میت کیلئے دعاء بغیر قبر روندے ہوئے جائز ہے۔

۞...... طریقۂ محمدیہ میں ہے۔ قبروں پر چلنا بڑی آفت کی بات ہے، مسلمانوں پیارے سنّی بھائیو! یہ مقابر مسلمین کا احترام شرعی ہے کہ نہ اس پر چلو نہ وہاں گھاس کاٹو نہ اُن کو ایذاء دو، ان کا احترام ضروری ہے جو زندہ اور زندوں کے گھر سے برتاؤ جائز ہے وہی میت اور قبروں اور قبوں سے برتاؤ کرو۔ وہاں نجاست نہ ڈالو۔ غرض حقوق ادب ادا کرو۔ مگر ابن سعود کو دیکھو کہ مقابر پر حملہ آور ہو، قبروں کو کھودا اس میں گولیاں چلائیں اور گستاخانہ موذی کلام کیا۔ (ص: ۱۰۰ تا ۱۰۵)

سیّد سلیمان ندوی کی تحریر پر علمی و تاریخی تنقید:

جناب علامہ سیّد سلیمان ندوی کے فتوئ (مطبوعہ زمیندار۔ لاہور۔ ۱۱ر صفر ۱۳۴۴ھ) کو ہم نے اوّل سے آخر تک بغور پڑھا تو نہ آیت قرآنیہ نظر پڑی نہ کوئی حدیث ہی ملی نہ کسی اجماع کا اُس میں تذکرہ نہ فقہ حنفی کی کوئی تصریح ہے۔ یعنی اپنے مدعا کیلئے نہ کتاب پیش کی نہ سنت نہ اجماعِ ذکر کیا نہ قیاس مجتہد۔ اور ان ادلۂ اربعہ کے سوا شرعاً مقام ثبوت میں کسی پانچویں امر کی گنجائش ہو اس کو مقلد تو مقلد کسی غیر مقلد کو بھی اصولاً تسلیم نہ ہوگا۔

اب فرمائیے کہ جو مسلمان دلائل شرعیہ سے ایک انچ ادھر ادھر ہٹنا نہیں چاہتا اس کو تفہیم مسئلہ میں جناب علامہ کی تحریر کیا مفید ہوگی؟ اور جناب علامہ کا تبحر اُس کیلئے تسکین بخش کس طرح ہوگا؟ (ص۔۱۱)

حضرت محدث اعظم ہند نے سیّد سلیمان ندوی کی تحریر پر یہ اجمالی گرفت فرمائی ہے اور قارئین کو معلوم ہوگا کہ ندوی صاحب کا سرمایہ افتخار محض تاریخ نویسی ہے اور اپنے اس مضمون میں موصوف نے اسی کے جوہر بھی دکھائے ہیں۔ جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت محدث اعظم ہند تحریر فرماتے ہیں۔

اور نوایجاد پانچویں دلیل ''تاریخ'' سے ثابت کرنے لگے کہ مزارات وقبہ جات وما ٓثر ومساجد مکہ معظمہ محض بے اصل وفرضی ہیں ان کو خلفاء، وسلاطین کا ایک دلچسپ مگر غیر مشروع مشغلہ اور شہرت کا آلہ کہنا چاہئے۔

حالانکہ ''تاریخ'' نظر شرع میں کوئی دلیل نہیں ہے اور دلیل ہو تو کیسے ہو جبکہ تاریخ خود تاریخ کی بے اعتباری پر شاہد ہے یعنی تاریخ کو خود اقرار ہے کہ کسی مذہبی امر میں ہمیں مداخلت کا حق نہیں ہے۔

کیا وہ تاریخ ہی نہیں ہے، جس رطب ویابس نے شیرازۂ اسلام کو بکھیر دیا اور خروج وناصبیت وتوہب وغیرہ کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنادیں؟ اگر تاریخ وسیر کی کتابیں سب کی سب جلادی جائیں تو اگر چہ ہم بہت سی مفید معلومات سے محروم ہوجائیں، لیکن بلاشبہ تفریق اُمت کی مہلک بیماری مسلمانوں سے جاتی رہے اور دیکھتے دیکھتے اسلام اپنے ایک ہی شان میں ہر جگہ جلوہ فرما ہوجائے۔

سیر وتاریخ جن بالائی باتوں کیلئے ہے اس حد سے آگے اس کو بڑھایا نہیں جاسکتا۔ اس کی روایت حیض ونفاس کے کسی مسئلہ میں بھی لائق سماعت نہیں ہیں۔ نہ کہ معاذ اللہ ان واہیات ومفصلات وبے سروپا حکایات سے خلفاء اسلام اور سات آٹھ سو برس سے خلفاء و علماء ومشائخ واولیاء کو مرتکب امر شنیع وگناہ کبیرہ بلکہ شرک قرار دینا اور ان کی تعمیرات کو بے اصل قرار دے کر ان کا مضحکہ اڑانا جو مریض القلب صاحبان کا طریقہ ہے کیسے پسندیدہ ہوگا؟ (ص ۱۲۔۱۳)

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ...... اہل عقل جانتے ہیں کہ ایسے مہملات کسی ادنیٰ مسلمان کو گنہگار ٹھہرانے کیلئے مسموع نہیں ہوسکتے نہ کہ خلفاء وعلماء ومشائخ واولیاء پر طعن شنیع کرنے میں جن کی رفعت شان اجماعی اور جن کا مذہبی تقدس متفق علیہ ہے۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کسی مسلمان کو گناہ کبیرہ کی طرف بے تحقیق منسوب کرنا حرام ہے۔ ہاں! یہ کہنا جائز ہے کہ ابن ملجم نے حضرت علی کو شہید کیا۔ کیونکہ یہ بتواتر ثابت ہوا۔

سچ عرض کرتا ہوں کہ اگر مؤرخین کی ایسی حکایات کچھ بھی قابل التفات ہوں تو علماء ومشائخ وخلفاء وآئمہ درکنار اہل بیت وصحابہ بلکہ حضرات انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین پر معاذ اللہ ایمان نہ رہ جائے۔

ایسے ہولناک اباطیل کی کچھ تفصیل مع رد کے شفاء شریف اور اس کی شرح میں موجود ہے۔ اسی بناء پر شفاء شرح شفاء ومواہب اور شرح مواہب میں فرمایا گیا ہے کہ سیر وسوانح کی حکایات پر ہرگز کان نہ رکھا جائے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفۂ اثناء عشریہ میں یہی فرماتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا جناب علامہ (سیّد سلیمان ندوی) کا سرمایۂ افتخار فن تاریخ نہیں ہے۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ مذہبی مسائل میں اُس کو صرف کرنا مسلمانوں کے نزدیک بے محل بات ہے اور تفریق اُمت و

تشتیت امر کا پیشہ خیمہ ہے۔ (ملخص۔ص: ۱۳۔۱۴)

کچھ دیر کیلئے تاریخ کی صحت کو مان بھی لیجئے تو اُس کی حیثیت ایک دستاویز رجسٹری شدہ کے برابر نہیں ہوسکتی۔ یعنی مثلاً آج کوئی دستاویز وقت ہاتھ لگنے اور تاریخ مین اس وقت کا ذکر ہو تو عقلاً دستاویز کو ترجیح دینگے اور تاریخ کو تائید میں پیش کردیں گے اور اگر تاریخ کا مضمون دستاویز کے خلاف ہے تو کوئی عقلمند دستاویز کی موجودگی میں تاریخ کی مخالفت کی پرواہ نہ کرے گا اور دستاویز سے تاریخ کا سکوت تو کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ بہرحال تاریخ ایک دستاویز سے بھی کم درجہ پر ہے یا زیادہ سے زیادہ وہ بھی ایک تحریری دستاویز ہے۔

اب آیئے اور دستاویز و تحریر کی شرعی حیثیت ملاحظہ کیجئے۔ فتاویٰ خیریہ میں ہے صرف دفتر اور محض حجت پر عمل نہ کیا جائیگا۔ کیونکہ ہمارے علماء نے تصریح فرمادی ہے تحریر کی بے اعتمادی اور ناقابل عمل ہونے کی مثلاً دستاویز وقف نامہ جس پر گذشتہ حکام کی تصدیق ہو اور عمل اس میں صرف بینہ شرعیہ پر ہے۔

اب جناب علامہ ندوی تاریخی تحریر کی جو دستاویز رجسٹری شدہ سے کم درجہ پر ہے علیحدہ رکھ دیں اور ملاحظہ فرمائیں کہ ثبوت وقف میں بینہ شرعیہ جس پر مدار ہے وہ کیا چیز ہے۔ اسی فتاویٰ خیریہ میں ہے۔ وقف نامہ ایک کاغذ ہے اس میں تحریر ہے اور وہ غیر معتبر ہے اور ناقابل عمل ہے۔ جیسا کہ کثیر علماء نے تصریح کی ہے۔ اور اس میں اعتبار بینہ شرعیہ کا ہے اور ثبوت وقف میں شاہد کہہ سکتا ہے کہ میں نے وقف کو سنا ہے اور گواہی کے بعد یہ کہنا کہ وقف میرا چشم دید نہیں لیکن شہرت اس کی ہے۔ یا مجھ کو میرے نزدیک جو معتبر ہے اس نے خبر دی ہے بالکل مضر نہیں ہے۔

درمختار میں ہے **تقبل فیہ الشھادۃ بالشھرۃ** اس بارے میں شہرت کی شہادت مقبول ہے۔ عالمگیری میں ہے **الشھادۃ علی الوقف بالشھرۃ تجوز۔** وقت ہر شہرت کی شہادت جائز ہے۔ یہ تو نصوص شریعت ہیں اور عقل بھی رہبری کرتی ہے کہ اگر شہرت مقبول نہ ہو تو ہزاروں وقف سوا اس کے کہ محض باطل قرار پائیں اور کیا نتیجہ ہے۔

اب اگر ہم جناب علامہ ندوی کی خاطر سے تسلیم بھی کرلیں کہ مکہ معظمہ کے مزارات و موالد و مساجد یہ تمام تعمیریں پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد کی پیداوار ہیں اور اس پر جناب علامہ تاریخی ثبوت رکھتے ہیں اور تاریخی دستاویز پر گذشتہ مؤرخین کی مہریں بھی ثبت ہیں اور تیرہویں صدی ہجری کے ایک مجہول سفرنامہ کی تحریر بھی پاس رکھتے ہیں مگر اس کو ہم کیا کریں کہ جناب علامہ کا یہ سارا ساز و سامان جب مقامِ ثبوت میں رکھا جاتا ہے تو معیار شرعی پر سب کا وزن گھٹ کر رہ جاتا ہے۔

ہاں! یہ ثابت کیجئے کہ خلفائے عباسیہ و امرائے اسلام نے جب تعمیریں کیں تو ہرگز ہرگز اس کی شہادت نہیں لی کہ مزارات و مساجد و موالد کے مواقع اصلیہ کیا ہیں اور اہرگز ہرگز ان مقامات کی خصوصیت اہل مکہ میں معروف و مشہور نہ تھیں اور تعمیر کے بعد ہی لوگوں کو بادشاہ کی خاطر سے ان مزارات وغیرہا کو ماننا پڑا اور وہ لوگ اس کے غلط ہونے کو جانتے تھے ورنہ اگر خلفاء و امراء کے پاس شہرت کی شہادت موجود تھی تو آپ کی عمر بھی کی تاریخی جمع پونجی شہادت شہرت کے وزن کے مقابل بال برابر بھی مفید نہ ہوگی۔

جب ہم اہل مکہ واہل مدینہ کے علمی وعملی اجماع کو دیکھتے ہیں کہ ابا عن جد روایت مشہورہ کی بناء پر ان مقامات متبرکہ کی زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں اور دوسری طرف اجماع اہل حرمین واجماع اہل مدینہ کے دلیل شرعی ہونے پر نظر کرتے ہیں تو مذہب وحقانیت ہم کو اس کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ جناب علامہ کی تاریخی کمائی ہیچ اور بالکل ہیچ ہے۔

آپ کے پاس تاریخ ہے اور ہمارے پاس شرعی دلیل اور بینہ شرعیہ یعنی شہرت واجماع اہل حرمین ہے۔

تو وطوبیٰ و ماو قامت اوست
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

کاش! جناب علامہ نے اس کو بھی صاف کردیا ہوتا کہ تاریخ سے ثبوت شرعی وامر شریعت کا عرد معاذ اللہ ہوسکتا ہے تو شاید تاریخی استدلال کی تکمیل ایک حد تک ہوجاتی ورنہ بغیر اس کے دلیل ناقص وغیر منتج ہے۔ کیا اس بے بنیاد تاریخ کے بھروسے پر مزارات ومقابر مسلمین کو صدمہ پہنچانا بلکہ کھود کر پھینک دینا جناب علامہ کی شریعت ہے؟ اگر ہے تو کم از کم اپنے قبرستان آبائی سے اس کا عملی افتتاح فرمایئے پھر مسلمانوں کے قبرستان کو مٹنے کا فتویٰ دیجئے۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کے اخلاص ونیک نیتی سے متاثر ہوکر اس تحریک میں حکومت ہند ہاتھ بٹانے پر آمادہ ہوجائے اور اس کو ہزاروں بیگھہ افتادہ زمین میں منافع زراعت حاصل کرنے کا موقع حاصل ہو۔

زیادہ سے زیادہ اس تحریک پر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ بے شمار مسلمان بیدردی سے ذبح کردیے جائیں گے، خواتین اہل اسلام کی عزت پر حملے ہوں گے، مسلمان بچوں کا ماں کے سینے پر گلا گھونٹ دیا جائے گا۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ طائف میں ابن سعود نے سب کچھ کر دکھایا تو آپ نے کیا پرواہ کی؟ بلکہ آپ کا فضل وتبحر سلامت رہے ابن سعود کو تاریخی قوت سے بے داغ ہی بنا کر چھوڑا۔

اس قلم پر قربان جایئے جس کے ایک اشارہ نے موت کا بازار گرم کردیا۔ زندہ مردہ کسی کو نہ چھوڑا اور پھر بھی دل نہ بھرا۔

تو کشتی قوم مسلم را بغمزہ
کرم کردی الہی زندہ باشی

جناب علامہ! کیا تاریخ ان حقائق کے بھی خلاف ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت مکہ معظمہ میں ہی ہوئی۔ دار ارقم مکہ معظمہ ہی میں تھا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار مکہ معظمہ ہی میں ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو موالد ومزارات وغیرہا کا مکہ معظمہ میں ہونا آپ کو بھی ماننا پڑا کہ بیشک کوئی غیر معلوم مگر مخصوص جگہ ان خصوصیات سے ممتاز ہے۔ بس اسی غیر معلوم کو بینہ شرعیہ، شہرت نے معلوم بنادیا اور تاریخی غیر معلوم مگر مخصوص جگہ شرعی نقطۂ نظر سے معلوم ومخصوص ہوگئی۔

اب اس پر عمارت وغیرہ خلفائے عباسیہ وامرائے اسلام نے نہیں بلکہ آج کل کے آپ کے معتوب ہندوستانی مسلمانوں ہی نے بنوائی ہوتو اس سے نفس مقام کی معلومیت وتعین پر کون سا اثر پڑے گا؟ جو آپ تاریخی حربہ سے اصل شرعی کی بیخ کنی فرماتے ہوئے صرف اتنی بات پر کہ تاریخ میں تعمیروں کو خلفائے عباسیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اصل مقام معلوم کی بے اصلی کا نتیجہ برآمد فرماتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ "ان کی سند تمام تر مشکوک ہے۔"

جناب علامہ تعمیر کی نوایجادی سے اصل مقام کی بے اصلی ہم کو سمجھاتے ہیں لیکن جب تک ہمارے پاس دولت ایمان واسلام ہے اور مسائل شرعیہ کا علم دل ودماغ میں موجود ہے نیز صحت حواس وسلامتی عقل کی نعمت سے مشرف ہیں۔ اس وقت تک جناب علامہ کی تاریخی منطق سمجھنے سے عاجز ہیں۔ (مقتبس۔ ص ۱۰ تا ۱۹)

صرف تاریخ سے استناد اور اس پر اعتماد کے نقصانات:

مقاماتِ مقدسہ کی تعین کے سلسلے میں اگر تاریخی بیانات ہی کو معیار قرار دیا جائے اور دیگر شہادتوں کا سہارا نہ لیا جائے تو بیت اللہ و بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کی زد میں آجائیں گے اور ابن سعود کی ستم رانیوں سے کوئی بھی عمارت محفوظ نہ رہ جائیگی۔ حضرت محدثِ اعظم ہند نے اس تاریخی حربے پر جو ناقدانہ بحث فرمائی ہے وہ چشم بصیرت سے پڑھنے کے لائق ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

بیت اللہ کرۂ زمین پر کہاں واقع ہے؟ اس کا سوال کا جواب قرآنی الفاظ میں "بکۃ" ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بکہ دوسرا نام ہے مکہ کا، اس کے متعلق ہمارے پاس ادلۂ شرعیہ کا پورا ذخیرہ ہے۔ مگر اس اُمید پر کہ شاید اور ہاں ہاں شاید ہی جناب علامہ کو بھی اس سے اختلاف نہ ہو اور وہ بھی ریاض دارالحکومت نجد کو بکۃ کہہ کر ابن سعود کے گھر کو بیت اللہ اعلانیہ نہ کہہ سکتے ہوں ہم ان دلائل کے تذکرہ سے اس تحریر کو طویل نہ کریں گے۔

اب تمام موالد ومقابر ومساجد مکہ معظمہ سے قطع نظر کر کے بیت اللہ شریف کی تلاش میں نکلتے ہیں اور تاریخ کو اپنا رہبر بناتے ہیں۔ نقشہ حرم کعبہ ہمارے سامنے ہے۔ جس میں پہلے وسیع شاندار مدور کئی درجہ کی عمارت ملتی ہے۔ اس عمارت میں باب علیؓ، باب النبیؐ، باب عمرؓ، باب ابراہیمؑ، باب صفاء ومروہ، باب الوداع، باب الاسلام وغیرہ کے مذہبی ناموں سے موسوم چالیس سے زیادہ دروازے ہیں اور متعدد لمبے لمبے مینارے ہیں۔ اسی عمارت کے ایک گوشہ میں ایک طویل چبوترہ بنا ہے جو خلفائے راشدین کی تخت گاہ قضا کہا جاتا ہے۔ اسی عمارت کے ایک جانب محفوظ حصہ کو "دارِاُم ہانی" بتایا جاتا ہے جو سفر معراج کا مبداء ہے۔ اس مسقف عمارت میں لوگ نمازیں پڑھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں، ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ہم مسجد میں نماز وغیرہ پڑھ رہے ہیں۔ نہ نجاست کی حالت میں اس میں داخل ہوتے ہیں نہ نجاست پھیلانا وہاں جائز سمجھتے ہیں۔ غرض جناب علامہ کی زبان میں "تقدیس و تمجید کا صور" پھونکتے ہیں۔ جن میں کثیر ہندی الاصل عربی شریک ہیں اور تاریخ کے اوقار اس سنگی شاندار وسیع سنگ مرمر کے پایوں کی

عمارت کو اور چبوترہ اور دروازوں وغیرہ کے انتساب کو نہ زمانہ رسالت میں دکھاتے ہیں نہ زمانہ خلافت راشدہ ہیں۔ بلکہ تاریخ سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اُمویوں اور عباسیوں ار امرائے اسلام نے مسجد حرم وغیرہ کے نام سے سرزمین حرم میں مختلف یادگاریں اپنے نام قائم کی ہیں۔ بعد کے مصری اور ترکی سلاطین نے اپنے بقائے نام کی بہترین صورت سمجھ کر اور شاید مذہبی خدمت سمجھ کر ان کی تعمیر وتجدید مختلف اوقات میں کی ہے۔

توجب اس عمارت میں موالد ومقابر ومساجد کی بے اصلی کے کل اسباب پائے جاتے ہیں اور سرمو فرق نہیں ہے تو ابن سعود کی اس مذہبی کمزور کو جناب علامہ جلد دفع فرمادیں کہ یہ عمارت وہ جلد سے جلد نیست ونابود کر کے اتباع سنت ودفاع منکر وبدعت کا ثواب حاصل کرے اور دال علی الخیر ہونے کی حیثیت سے جناب علامہ بھی اس ثواب میں حصہ دار بنیں۔

اب اس عمارت کو ڈھا کر آگے بڑھئے تو ایک وسیع صحن ہے جس کی وسعت کو لق ودق میدان سے تشبیہ دے سکتے ہیں اور ان سڑکوں کے درمیانی حصہ میں کنکریاں پڑی ہیں جن میں مسلمان اناج پھینکتے ہیں۔ جس کو حرم کے کبوتر جمع ہو کر چنتے کھاتے ہیں۔ ان کبوتروں کو اڑانا ان کی آزادی میں فرق ڈالنا بھی مسلمان اچھا نہیں سمجھتے ار اس تمام صحن کو مسجد سمجھ کر نمازیں پڑھتے ہیں اور اس کو مسجد سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحن بھی تاریخ کے نزدیک خلفاء اُمویہ وعباسیہ ومصریہ وغیرہم کے اپنے نام سے قائد کردہ ایک یادگار ہے اور مقابر وموالد ومساجد کے بے اصل ہونے اسباب پورے پورے اس میں موجود ہیں۔ لہٰذا جناب علامہ کی رائے میں ابن سعود نے ابھی بہت کچھ منکرات چھوڑ رکھے ہیں۔ اس کو صحن حرم میں بھی کھدوا کر اصطبل اور پاخانے بنوانے باقی ہیں۔

اس صحن کو برابر کر کے آگے بڑھئے تو آئمہ اربعہ کے چار مصلیٰ ہیں۔ چاہ زم زم سنگی پختہ بنا ہے اس پر دو درجہ کی عمارت ہے اور شاندار گنبد ہے۔ زم زم کی جگت بلند ہے جس پر آہنی کٹہرہ لگا ہے۔ ایک طرف باب السلام کے نام سے سنگ مرمر کا دروازہ ہے۔ ان تمام تعمیروں میں تاریخ زم زم کی قدامت پر شہادت تو دیتی ہے اگرچہ مسافت کر کے اس کے کسی خاص مقام کو یقینی طور پر متعین نہیں ی کرتی اور اس شبہ کو پوری طرح دفع نہیں کرتی کہ شاید زم زم پاٹ کر یہ جدید کنواں تیار کیا گیا ہو۔ مگر خیر! از تاریخ ہمیں بس است کہ قدامت زم زم کی خبر دیتی ہے۔ لیکن اس کو پختہ کرنا جگت بلند بنوانا اس پر عمارت بنوانا اس کے پانی میں کوئی کرامت ماننا اس کی سبیل لگانا اسی طرح ائمہ اربعہ کے مصلی اور باب السلام نام کا سنگی دروازہ جو کچھ بھی ہے عباسیوں، مصریوں، ترکیوں وغیرہم کیلئے شہرت کا آلہ کار ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان امرائے اسلام نے نام آوری کیلئے اپنی اپنی یادگاریں ارض مقدس میں قائم کیں اور تعمیروں کے اب اصلی اصل شئے کی بے اصلی ہے۔ لہٰذا نہ صرف چاروں مصلے بلکہ باب الاسلام اور چاہ زم زم کو جناب علامہ صفحۂ ہستی سے مٹانے کا فتویٰ دیں اور ابن سعود اس فتویٰ پر عمل کر کے دکھادے۔

اس انہدام کے بعد آگے بڑھئے تو سنگ مرمر کا ایک صحن ہے جس کو مطاف کہا جاتا ہے۔ جس کے ایک جانب جس کو مستجاب کہتے ہیں کثیر انبیاء علیہم السلام کے مزارات کو ہوتا بتایا جاتا ہے۔ اس صحن میں ایک حصہ مختصر سا حوض کی شکل میں ہے اور کہا جاتا ہے کہ پہلی نماز

سیّدنا جبریل علیہ السلام نے اسی مقام پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھوائی تھی اور اسی صحن میں مقام ابراہیم بھی ہے۔ ممکن ہے کہ تاریخ میں لفظ مطاف و لفظ مصلےٰ جبریل و لفظ مقام ابراہیم مل جائے۔ لیکن اس کی وسعت کا صحیح حساب اور صحیح مقام کا تعین تاریخ سے باہر کی بات ہے اور سنگی صحن و مقام ابراہیم پر سنگی شاندار عمارت اور اس کے پرزر پروے تو بلاشبہ امرائے اسلام کی جدید تعمیر ہے۔ لہٰذا اس کو بھی جناب علامہ کھود کر پھینک دیں اور ابن سعود کو اس کا حکم بذریعہ تار دیں تاکہ تاخیر نہ ہونے پائے۔

اب اس کے بعد وہ سنگی بلند اور اونچی کرسی کی غلاف سے ڈھکی ہوئی عمارت ہے جس کو بیت اللہ کہتے ہیں اور جس کے ایک جانب سنگ مرمر کی چوڑی چہار دیواری سے ایک کھلی ہوئی جگہ گھری ہوئی ہے۔

جو حطیم کہتے ہیں، اس بیت اللہ کے اندر قیمتی چھت گیر لگی ہوئی ہے۔ رول پر نقش و نگار ہیں دروازوں پر زریں پردہ پڑا ہوا ہے، چھت پر جانے کا دروازہ اندر سے ہے۔ زینہ کا دروازہ باب التوبہ کہلاتا ہے۔ چھت پر سونے کا پرنالہ ہے۔ جس کو میزاب زر کہتے ہیں۔ بارش میں جو قطرہ اس سے گرتا ہے مسلمان سروں پر اس کو لیتے ہیں پرنالے کا پانی جس پتھر پر گرتا ہے وہ سیاہ ہے اور حجر اسمٰعیل اس کو کہا جاتا ہے، اسی بیت اللہ کے بیرونی حصہ میں ایک گوشہ پر حجرۂ اسود لگا ہوا ہے۔

تاریخ حجر اسمٰعیل واحترام آب ومیزاب زر کا بھلا کیسے ذکر ہو اور اس کے مقام کو معین کرنا تاریخ کیا جانے؟ غضب تو یہ ہے کہ تاریخ اس تیرہ سو برس میں متعدد مرتبہ کعبہ کی مسماری و تعمیر اور حجرۂ اسود کے نکلنے توڑے جانے اور لگانے کی شہادت دیتی ہے اور اس امر کا دفع شبہات کے ساتھ یقین نہیں دلاتی کہ موجودہ تعمیر کی بنیاد اصل بیت اللہ کی بنیاد ہی پر قائم ہے اور بال برابر بھی فرق نہیں ہے اور بیت اللہ کا بناء سیّدنا ابراہیم علیہ السلام پر نہ ہونا تو حدیث شریف سے بھی ثابت ہے اسی طرح حطیم کی صحیح مساحت سے تاریخ عاجز ہے اور احاطہ موجودہ کی صحت سے مطمئن نہیں کرتی بلکہ حجر و حطیم کا تو مشہور اختلاف علماء سے منقول ہے۔

ہاں! تاریخ بتاتی ہے تو اس قدر کہ بیت اللہ و حطیم کی موجودہ عمارت امرائے اسلام کی شہرت پسندی کا نتیجہ ہے اور ان کی نام آوری کی یادگار ہے لہٰذا جناب علامہ کا دافع منکرات ہاتھ اور ہادم بدعات قلم اس وقت تک نہ رکے جب تک کہ بیت اللہ کو جڑ بنیاد سے کھود کر خاک بدہن معاذ اللہ بے نام و نشان نہ کر دیا جائے اور جناب علامہ کی عالی ہمتی نے یہ منظر پیش کر دیا تو مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کی اصل بناء اور بیت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تاریخی طول و عرض پر مسجد نبوی کی توسیع و تزئین اور سبز گنبد کی رفعت میں تاریخ شک دکھا کر امرائے اسلام کی شہرت پسندی کو عیاں کر کے ایک ہی بے زخمی میں مسجد نبوی کی عظمت اور قبہ خضراء کے جبروت سے آنکھیں بند کر کے حرمین کو توبہ توبہ چٹیل میدان بنا دیں گے۔ تاکہ ایمان پہلے کامل تھا تو اب اکمل ہو جائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم. انا للہ الیہ راجعون. سچ ہے۔

ولولا رجال مومنون لهدمت
صوامع دين الله من كل جانب

اب جبکہ علامہ کے حملہ کی زد میں لاالٰہ الا اللہ کا ایک ایک حرف اور محمد رسول اللہ کی ایک ایک کشش ہے۔ تو صحابہ واہلبیت کا نام لے کر مقابر و موالد وغیرہ کا تذکرہ کرنا جبین بے نیازی کے شکن میں کیا فرق پیدا کردے گا؟

اگر ہم بخوف فتوائے شرک وکفر، اعظم گڑھ کے دارالمصنفین اور لکھنؤ کے ندوۃ العلماء، اور دہلی کے مدرسہ امینیہ اور ملک نجد بالخصوص ریاض وبھو قدم مقامات کو مستثنیٰ کردیں تو جناب علامہ کی تحقیقی تاریخی میں نہ کوئی مذہبی زمین تقدس رکھتی ہے نہ کوئی تعمیر مذہبی امتیازات سے مشرف ہے یہ ہے جناب علامہ کا تاریخی حربہ! یعنی

تاریخ وحکایت بھو کعبہ..... ہزاراں خانماں برباد کردی۔ (ص ۱۹ تا ۲۳)

یہاں تک تو بعض اُصولی بحثیں ہوئیں جن میں حضرت محدث اعظم ہند نے علم وتحقیق کے دریا بہائے ہیں اور پاسبانی حرم و خدمت مقامات مقدسہ کا حق ادا کردیا۔ اب آگے کچھ وہ نقد ونظر بھی ملاحظہ فرمائیے جو آپ نے سیّد سلیمان ندوی ہی کی تحریر پر فرمایا ہے اوران کی تاریخ دانی وتبحر علم کے بخیے اُدھیڑ کر رکھ دیے ہیں۔

مزار حضرت آمنہؓ:

سیّد سلیمان ندوی صاحب لکھتے ہیں ''ان مزارات میں سب سے زیادہ دلچسپ حضرت آمنہؓ کا مزار ہے میں اس سے بحث نہیں کرتا کہ حضرت آمنہ کے مزار کی مذہبی حیثیت کیا ہوگی؟ بلکہ یہ کہنا ہے کہ ہر وہ شخص جس کو حدیث وسیر کی تھوڑی سی بھی واقفیت ہے وہ جانتا ہے کہ حضرت آمنہؓ نے مدینہ کے قریب وفات پائی اور مدینہ کے پاس ہی مقام ابواء میں مدفون ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہزاروں صحابہ کے ساتھ ایک سفر میں ادھر سے گذرے تھے اوران کی مغفرت کیلئے خدا سے اسے اذن طلب کیا تھا جو عطانہ ہوا۔

اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے آپ لکھتے ہیں..... ابتداء کلام میں یہ فرمانا کہ ''سب سے زیادہ دلچسپ حضرت آمنہ کا مزار ہے۔'' یہ تو جناب علامہ کی ہنسی اور مضحکہ اُڑانے کا خوبصورت نمونہ ہے مگر مزار کی مذہبی حیثیت سے قطع نظر کرکے آخر میں یہ بھی کہنا کہ حضرت آمنہ کی مغفرت نہیں ہوئی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مؤرخیت کا کمال ہے یا کون سی بلا ہے؟ اور مزید برآں حضرت آمنہ معاذ اللہ بے دین وجہنمیہ مان کر حضرت ہی لکھنا یہ تو اور بھی ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

آپ کے پاس حدیث وسیر کی جو روایت ہے اُس میں حضرت آمنہؓ کے کفر کا تذکرہ ہے اور جو روایت بھی اس مضمون کی ہے خواہ وہ حدیث ہی کیوں نہ ہو خواہ وہ حدیث درجۂ صحت کو پہنچ چکی ہو مگر آئمہ اسلام کے نزدیک منسوخ ہے اور ناقابل احتجاج ہے۔ اگرچہ حدیث ''احیاء الدین کریمین وایمانہما'' جو ناسخ ہے وہ اس درجہ کی نہ ہو۔

پھر مواہب لدنیہ کی ایک عربی عبارت پیش کرکے آپ فرماتے ہیں..... ملاحظہ ہو کہ اکابر ائمہ کرام واعاظم محدثین اعلام مثلاً امام ابن عساکر وامام ابن شاہین وابوبکر خطیب بغدادی وامام سہیلی وامام محب الدین طبری وعلامہ ناصر الدین ابن المنیر وعلامہ ابن سیّد الناس

وحافظ ابن ناصر و خاتم الحفاظ و علامہ زرقانی وغیرھم علماء عظام حدیث احیاء والدین کریمین وایمانہما کو آپ کی روایت کا ناسخ فرمار ہے ہیں۔ایسی حالت میں اگر ہم سے سرکشی ہو اور علماء کرام کی کشش ہم کو جی حضور نہ کہنے دے تو جناب علامہ کو ناگوار نہ ہونا چاہئے۔

اب ہم کو جناب علامہ ہی بتائیں کہ یہ تاریخ کہ کس روز کا واقعہ ہے کہ حضرت آمنہ مکہ سے ابواء تشریف لے گئیں اور ان کو وہیں موت آئی اور وہیں مدفون ہوئیں۔ مگر کسی منسوخ حکایات کو نہ بیان فرمایا جائے بلکہ ایسی بات ہو جو شہرت و درایت کا کچھ تو مقابلہ کر سکے اور بے سند و حوالہ نہ ہو۔

شیخ محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں جناب علامہ کی نقل کردہ روایت کے بعد فرمایا ہے کہ "در روایتے آمدہ است کہ قبر آمنہ در حجون ست بلکہ در جناب معلی۔" اور شہرت و درایت چونکہ مکہ میں قبر ہونے کی جانب ہے لہٰذا روایت علامہ اس سے تصادم نہیں کر سکتی۔

نیز ابن ابی الدنیا سے عینی میں روایت ہے کہ زار الشارع قبر امہ یوم الفتح شارع علیہ السلام نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت فتح مکہ کے دن فرمائی۔ اب فرمائیے کیا فتح مکہ کے دن حضور ﷺ ابواء میں تھے؟ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ مزار حضرت آمنہ کو ابواء میں بتاتے ہیں وہ ابواء کو اسی معلیٰ کا دوسرا نام قرار دیتے ہیں۔ فلا تعارض! (مقتبس: ص ۴۴-۴۶)

مسجد جن:

اس عنوان نے سید سلیمان ندوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

"یہ دوسرا حیرت انگیز مقام ہے جو معلیٰ (قبرستان) کے پاس واقع ہے۔ حدیث و سیر کے علماء جانتے ہیں کہ جنات کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور ایمان لانے کا واقعہ مقام نخلہ میں گذرا ہے جو مکہ سے ایک شب کے راستہ پر ہے۔ دوسرا واقعہ جنات کی آمد کا مدینہ منورہ کے باہر میدان میں گذرا ہے۔"

مسجد جن کا ذکر فرمایا ہے وہ اک مسجد ہی ہے نہ اس میں کسی کا مزار ہے نہ وہ کسی کا موار ہے۔ اس میں نماز ہی پڑھی جاتی ہے اور ایک مسجد سمجھی جاتی ہے۔ ہاں! اس کا نام مسجد جن ہے۔ جیسا کہ ہندوستان کیا عرب وعجم میں ہر مسجد کا ایک نام مشہور ہو جاتا ہے۔ مسجد جہانگیر، مسجد شاہجہاں، مسجد شمس الدین التمش، مسجد مچھلی بازار، مسجد کالج، مسجد ناخدا، تو مشہور ہی ہیں۔ بہت سی مسجدیں ایسی ہیں جن کو جنات کی مسجد بھی کہتے ہیں۔ لیکن ہیں سب مسجد ہی اور احکام مسجد ہی سب پر نافذ ہوں گے۔

مسجد جن جناب علامہ کے نزدیک "حیرت انگیز" مقام کیوں ہے؟ کیا مسجد کسی مسجد کو کہنا اسی پر موقوف ہے کہ وہاں جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہو اور ایمان لائے ہوں؟ اور کیا آپ یقینی طور پر دعویٰ کر سکتے ہیں کہ نخلہ و مدینہ منورہ کے آپ کے ذکر کردہ موقعوں کے سوا کبھی کسی مقام پر جنات نے حضور ﷺ کی زیارت نہیں کی؟

اگر خوشی سے اجازت ہو تو ہم صرف اتنا سوال کریں کہ جناب علامہ نے اپنے اس ارشاد کو کہ...... ''دوسرا واقعہ جنات کی آمد کا مدینہ منورہ کے باہر میدان میں گذرا ہے جب آپ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو دائرہ کھینچ کر ایک جگہ بٹھایا ہے۔'' کہاں ملاحظہ فرمایا ہے؟ یہ حکایات کسی کتاب میں دیکھی ہے؟ اور کیا وہ کتاب فنا تو نہیں ہوگئی؟

اس سوال کے بعد حضرت محدثِ اعظم ہند نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اس واقعہ کی اصل عبارت تفسیر کبیر سورۂ جن سے نقل کی ہے۔ جب میں صراحت سے مذکور ہے۔ **فقال عبداللہ نااذھب معک یارسول اللہ قال فانطلق حتی اذاجاء الحجون** ۔اس کے بعد پورا واقعہ ہے ترجمہ لکھ کر فرماتے ہیں۔'' دیکھئے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے دائرہ میں بیٹھنے اور جنوں کے ملنے کا واقعہ حجون کا ہے اور اب تلاش کیجئے کہ حجون کس مقام کا نام ہے۔

الحمدللہ! کہ اس تلاش میں اب زحمت نہ رہی کہ خود جناب علامہ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے مزار کے تذکرہ میں فرمادیا ہے کہ'' بیشک حضرت خدیجۃ الکبریٰ حجون ہی میں جس کو معلی کہتے ہیں مدفون ہوئیں۔'' کیا اب بھی کوئی شبہ اس میں ہوسکتا ہے کہ حجون اور جنت المعلی ایک ہی چیز ہے اور مسجد جن کہاں ہے؟

ملاحظہ ہو کہ مسجد جن معلی میں ہے اور معلی حجون میں! اور عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ معلی میں جنات سے ملاقاتی ہوئی۔ وہیں دائرہ میں یہ بٹھائے گئے جس کے متعلق روایت مشورہ ہے کہ مسجد جن اسی کی یادگار بنی ہے۔ ملاعلی قاری حنفی نے تو اپنے مسلک میں صاف صاف اسی مسجد جن کے متعلق تصریح فرمادی ہے کہ اس کی زیارت مستحب ہے۔

جنات کی حاضری کا واقعہ جناب علامہ کی تاریخی و تحقیقی میں دو مرتبہ گذرا ہے، مگر علماء کرام اس کے متعلق کیا فرماتے ہین۔ عینی شرح بخاری میں ہے۔ ان وفادۃ الجن کانت ست مرات۔

مکہ معظمہ کے اس صاف وصریح واقعہ کو مدینہ طیبہ کا واقعہ بتانا اور ایک مسجد کے شہید کردینے پر نازیبا طریقہ اختیار کرنا ہمیں نہیں معلوم کہ اس کو کیا کہنا چاہیے؟

جناب علامہ کے اس تاریخی تبحر وکمال کے جوہر چھننے کے بعد کیا کیا ہم تیور بدل کر عرض کرسکتے ہیں کہ مکہ معظمہ کو مدینہ منورہ کہنا تاریخ کی کون سی اصطلاح ہے؟ (مقتبس: ص ٢٦ تا ٣٠)

مزار خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا:

جناب علامہ نے تیسرا عنوان ''مزار خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا'' کا قائم فرما کر اقرار فرمایا کہ مزار مبارک مکہ معظمہ ہی میں ہے لیکن جس قبر کو مزار خدیجۃ الکبریٰ'' کہا جاتا ہے اُس کا صحیح طور پر مزار ہونا آپ کو اس لئے تسلیم نہیں کہ مرادآباد کے کسی صاحب (جن کا نام علامہ نے نہیں لکھا) نے ۱۲۰۱ھ میں حج کیا تھا اور جو کمائی یا ثواب لے کر وہاں سے واپس ہوئے تھے اس کو معتبر قاصد کی طرح بنام

''حالات الحرمین'' جناب علامہ سے بیان کردہ تھا۔ جس میں لکھا ہے کہ مزار خدیجۃ الکبریٰؓ بلکہ تمام مزاراتِ صحابہؓ کی تعیین صحیح نہیں ہے۔

ہم اس بحث کو طول اس لئے نہیں دیتے کہ جناب علامہ نے کون سی قابل سماعت بات ہی فرمائی ہے؟ جس کی طرف زیادہ توجہ دی جائے، صرف مطالبۂ تصحیح نقل وصحت منقول عنہ ہی کافی سے زیادہ ہے۔ (ملخص۔ص ۳۰ تا ۳۱)

مسجد جبل نور:

جناب علامہ نے مزارات کو سفرنامہ کے حوالہ کر کے مساجد کی طرف رخ فرمایا ہے اور عنوان میں ''جبل نور'' لکھ کر یوں ارشاد فرمایا ہے کہ:

''علماء کرام جانتے ہیں کہ صحیح روایتوں کے مطابق ایک دفعہ بچپن میں سینۂ مبارک شق ہوا اور یہ اس وقت جب آپ حضرت حلیمہؓ کے ساتھ بنوسعد کے قبیلہ میں تشریف رکھتے تھے۔ دوسرا واقعہ معراج میں گذرا اور اس وقت شق صدر چاہِ زم زم کے پاس ہوا۔ جیسا کہ صحیحین میں مذکور ہے۔''

یہ دو جملے کہ ''علماء کرام جانتے ہیں'' اور ''صحیحین میں مذکور ہے۔'' اس درجہ شاندار اور بارعب ہے کہ جیسے کسی تچی بات کو فرمایا جارہا ہے۔

علماء کرام شق صدر کے متعلق کیا جانتے ہیں وہ علامہ صاحب کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ **فمرات الشق اربعة**۔ سینۂ مبارک کے شق ہونے کا واقعہ چار مرتبہ گذرا ہے۔ اگر جناب علامہ اس کو نقل فرمادیتے تو ''علماء کرام جانتے ہیں'' کہنے کا موقع نہ ہوتا اور اگر بسلسلۂ حدیث جناب علامہ لکھ دیتے ہیں کہ مسند طیالسی وحارث میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ غار حراء میں بھی شق صدر ہوا تو مسلمان جناب علامہ کی محدثانہ تاریخ دانی سے مرعوب نہ ہوتے۔

بات یہ ہے کہ سورۂ الم نشرح میں جس خاص شرح صدر کا بیان ہے اُس کے متعلق علماء نے فرمایا ہے کہ یہ یا تو ایام طفلی کے شرح صدر کا بیان ہے اور یا شب معراج والے شرح صدر کا تذکرہ ہے اس مضمون کو جناب علامہ نے جلالین شریف کے بین السطور میں دیکھ لیا اور وہ بھی ایک روایت ہی ہے۔ چنانچہ اس کی اصل عبارت یہ ہے: ''**وقیل اشارة الیٰ شق صدر ہ فی صباہ اولیلة المعراج**'' اور کہا گیا ہے کہ اس سورۂ میں یا زمانہ طفلی کے شق صدر کی طرف اشارہ ہے یا شب معراج کے شق صدر کی طرف!

جناب علامہ نے اس سے سمجھ لیا کہ شق صدر کا واقعہ محض دو ہی مرتبہ گذرا ہے۔ لہٰذا علماء کرام کو اپنے ساتھ ملا کر یہ کہہ دیا کہ شق صدر دو ہی مرتبہ ہوا۔ میں جناب علامہ کو ''سخن شناس نۂ'' بھلا کیا کہوں۔ ہاں! یہ کہنا بے محل نہیں ہے کہ ''دلبرا خطا این جاست'' سروۂ کے شان نزول کا اختلاف اور بات ہے اور کسی واقعہ کا متعدد مرتبہ ہونا اور بات ہے۔ صحیحین کی کسی روایت میں دو کی تعیین نہیں مگر حوالہ صحیحین

کا دے دیا۔ ان دو میں بھی ایک واقعہ کی صورت اس لئے بدل دی کہ جبل نور کا احتمال ہی منقطع ہو جائے۔

جناب علامہ آخر میں بلند آہنگی کے ساتھ ناممکن الجواب سمجھ کر تین سوال قائم فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "پھر یہ کون سا پہاڑ ہے جس پر شق صدر کا واقعہ گذرا؟ اور کب گذرا؟ اور کس روایت سے اس کا ثبوت ہے؟

ہم بلا تردد کہتے ہیں کہ یہ پہاڑ جبل النور ہے جو مکہ میں اس رخ پر ہے جو منیٰ کا راستہ ہے اور کب گذرا کا جواب اللہ ورسولہ اعلم ہے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ ایام حرا میں گذرا۔ ہر واقعہ کی صحت اس کی یقینی تاریخ معلوم ہونے پر موقوف نہیں اور ثبوت مسند طیالسی و حارث و مدارج و مواہب و منسک علی قاری و تفسیر عزیز کی تصریحات اور بینہ شرعیہ "شہرت" و اجماع اہل حرمین وغیرہ ہے۔

آخر میں اس پر بھی ایک پُر حسرت نظر کر لیجئے کہ جناب علامہ کے کمالات و تبحر کا حملہ کس پر ہے۔ جبل النور ایک نسبتاً مکہ میں اونچا پہاڑ ہے اُس پر کوئی دو گھنٹہ کے راستے پر ایک چھوٹی مسجد ہے۔ نہ اُس میں کسی کی قبر ہے نہ وہاں کسی کا مولد ہے۔ اس مسجد کو اس لئے کہ جبل نور پر ہے جو مقام شق صدر ہے ابن سعود نے شہید کر ڈالی۔ اسی شہادتِ مسجد پر علامہ فرماتے ہیں کہ جو ہوا خوب ہوا۔ جب شق صدر ہی دو مرتبہ ہوا تو مسجد پھر کیوں باقی رکھی جائے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون!

صرف اتنے کے واسطے شق صدر کا مسئلہ بگاڑا اور "مسجد جبل نور" کے بجائے "جبل نور" لکھا جو ابن سعود کی سات پشت سے اُکھاڑے نہیں اُکھڑ سکتا۔ کیا مسلمانوں کا اس موقع پر یہ کہنا بیچ ہے۔

گل ست مسجد و در چشم نجدیاں خارست!

(مقتبس: ص ۳۲ تا ۳۵)

قربان گاہ اسمٰعیل علیہ السلام:

ابن جناب علامہ "قربان گاہ اسمٰعیل علیہ السلام" کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ "قربان گاہ اسمٰعیل علیہ السلام کا کوئی خاص مقام متعین احادیث و روایات اور قرآن مجید کی آیتوں سے ثابت نہیں۔ سارا منیٰ قربان گاہ ہے۔ اس میں گز دو گز کی کوئی زمین کسی طرح ثابت نہیں۔

یہاں بحث ایام حج کے قربان گاہ کے متعلق ہے یا خاص قربان گاہ اسمٰعیل کے متعلق؟ اگر جناب علامہ کی گفتگو قربان گاہ عام کے متعلق ہے تو اس کو گز دو گز جو کہتا ہو اُسے برا بھلا کہا جائے اور اگر خاص قربان گاہ اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق گفتگو ہے تو جناب علامہ کا یہ ارشاد کہ "سارا منیٰ قربان گاہ ہے" کون سی آیت یا حدیث یا روایت سے ثابت ہے؟

پارہ ۲۳ سورۂ والصّٰفّٰت رکوع ۳ کی تفسیر میں جلالین شریف میں قربان گاہ اسمٰعیل علیہ السلام کا یہ پتہ دیا گیا ہے کہ کان ذلک بمنیٰ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ "سارا منیٰ قربان گاہ ہے" جو جناب علامہ سمجھے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ قربان گاہ اسمٰعیل کی مخصوص جگہ منیٰ میں واقع ہے اور تفسیر مدارک میں صاف موجود ہے کہ روی ان ذلک المکان عند الصخرۃ التی بمنیٰ۔ مروی ہے کہ یہ قربان گاہ منیٰ

میں صخرہ کے پاس ہے اور یہی مضمون حاشیہ جلالین وتفسیر کلیمی وغیرہ میں ہے۔

کیا اس موقع پر جناب علامہ کو اُن کے نواب صدیق حسن خان کی اس تصریح کی طرف بھی توجہ دلادوں کہ وہ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت لکھتے ہیں کہ جو پتھر اور صخرہ اس وقت موجود ہے وہی قربان گاہ سیّد اسمٰعیل ہے اور اس کو کیا کہا جائے کہ قربان گاہ اسمٰعیل بھی ایک مسجد ہی ہے جہاں مسلمان نمازیں پڑھتے ہیں ار جناب علامہ مسجدوں کو شہید کرنے کو ہاتھ بڑھاتے ہیں اور پردہ ڈالتے ہوئے صرف لفظ ''قربان گاہ اسمٰعیل'' کہہ کر آمادۂ جنگ ہے۔ (قصر جمیل۔ملخص۔ص ۳۵۔۳۶)

مسجد کوثر:

اب جناب علامہ مسجد انا اعطینک الکوثر کا عنوان قائم فرما کر رقمطراز ہیں کہ سورۂ کوثر ایک ضعیف روایت کی بناء پر حدیبیہ میں ۶ھ کو نازل ہوئی ہے یا قوی روایت کی بناء پر مدینہ طیبہ میں ۹ھ کو نازل ہوئی ہے اور کسی جگہ اس کے نزول کی ایک روایت ضعیفہ بھی نہیں ہے تو پھر یہ مسجد انا اعطینک الکوثر کس بنیاد پر ہے؟ اور بڑی بات یہ ہے کہ ابن بطوطہ، ابن جبیر، ناصر خسرو نے اس مسجد کو جو نہیں دیکھا تو بے اصلی میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

مدارک شریف میں ہے۔ سورۃ الکوثر مکیۃ۔ سورۂ کوثر مکہ میں نازل ہوئی یہی مضمون تفسیر کبیر ودیگر تفاسیر میں ہے ار مصاحف میں اس سورہ کو سورۂ مکیہ ہی عرب وعجم میں لکھا جاتا ہے تفسیر کبیر میں شانِ نزول کے متعلق تمام راتیوں کو نقل کیا ہے اور اقوال مختلفہ کو جمع فرمایا ہے، اس عبارت کو پڑھا جائے تو نہ کہیں حدیبیہ کا نام ملے گا نہ مدینہ طیبہ۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مدینہ طیبہ میں نزول کے متعلق روایت موجود ہے ار اس روایت کا جو حال ہے وہ حاشیہ جلالین میں علامہ صاوی کی تصریح سے ظاہر ہے۔ فرماتے ہیں۔ جلالین میں سورۂ کو کا سورۂ مکیہ کہنا بر بنائے قول عبداللہ بن عباس وکلبی ومقاتل وجمہور مفسرین ہے اور یہ کہنا کہ یہ مدنیہ ہے بر بنائے روایت حسن وعکرمہ ومجاہد ہے اور سورہ کا مکیہ ہونا بدلیل شہرت شہرت ثابت ہے اور شانِ نزول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جناب علامہ نے جلالین کے بین السطور میں روایت مدینہ کی قوت اتقان کی منقولہ عبارت میں دیکھ لی ہے۔ لیکن صاحب اتقان کی رائے جمہور مفسرین کے خلاف کب حجت ہوسکتی ہے؟ جبکہ نزول سورۂ کوثر کا مکرر ہونا بھی متحقق ہے اور ہم تو کہتے ہیں کہ مسجد کو بنے سال دو سال بالفرض ہوئے تو کیا یہ بھی کوئی مسئلہ ہے کہ نئی مسجد کو کھودنا جائز ہے؟ اور کیا جناب علامہ کی یہ تحقیق کسی مجلس مناظرہ میں موضوع بننے کی صلاحیت رکھتی ہے؟ اس کا جواب ہے کہ مقام نزول بدلیل شرعی ثابت ہے وہاں ایک مسجد آج بنی اور خوبصورت مقام کی وجہ سے مسجد کا نام اُسی نام سے مشہور ہوگیا تو وہ مسجد آخر مسجد کیوں نہ رہی؟ (ملخص۔ص ۳۶ تا ۴۰)

مولد فاطمۃ الزہرہؓ:

اب جناب علامہ ''مولد فاطمۃ الزہرہؓ'' کی سرخی کے بعد اس کا بلا جبر واکراہ اقرار فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

مکہ میں ایک مکان تھا، اور بخوشی ورضامندی اس کا بھی اعتراف فرماتے ہیں کہ آپ کا نکاح حضرت خدیجہؓ کے ساتھ مکہ ہی میں ہوا تھا۔ صرف اتنا تردد ہے کہ اگر چہ حضور ﷺ حضرت خدیجہؓ کے تجارتی کاروبار کے تنہا نگران تھے اور اس دولتمند مقدس بی بی کی خدمات مقبول تھیں مگر حضور ﷺ کا قیام حضرت خدیجہؓ ہی کے گھر میں تھا یا نہیں؟ اور بڑا شک آپ کو یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی ولادت حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے گھر میں ہوئی تھی یا کہیں اور؟ مقطع کا تو ہم یہ ہے کہ اگر حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے گھر میں ولادت ہوئی تو کس گوشہ میں ہوئی؟ غرض شک و تردد وہم کا ایک انبار ہے کہ بالآخر گھبرا کر جناب علامہ نے ان توہمات سے نتیجہ نکال لیا کہ ''مولد فاطمۃ الزہرہؓ'' یقینی فرضی ہے۔

ان شبہات کا ایک ہی جواب ہے کہ مولد کی تعمیر کو (بقول علامہ) ساڑھے سات صدی گذر گئی۔ اب آپ اس کی غلطی پر شہادتِ شرعیہ رکھتے ہوں تو سامنے لایئے ہم جرح تو کرلیں۔ یہ جواب فقہاء کے اس قول سے مستنبط ہے کہ **القبض دلیل الملک ومن ادعیٰ فعلیه البیان!**

اسی مقام مقدس کی عظمت کے بارے میں ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے گھر کی زیارت مستحب ہے۔ ہجرت تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی گھر میں رہے اور وہ گھر مکہ معظمہ میں مسجد الحرام کے بعد ہر جگہ سے افضل ہے۔ جس کو طبرانی وغیر علماء اعلان نے فرمایا ہے۔ (ملخص۔ ص ۴۰ تا ۴۱)

مولد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:

آخر میں جناب علامہ ''مولد نبوی'' کے متعلق بس اسی قدر کہہ کر بے اصلی پر روشنی ڈالتے ہیں کہ ''احادیث وسیر سے اس کا ثبوت نہیں۔'' اگر جناب علامہ کے نزدیک ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ولادت مکہ معظمہ ہی میں ہوئی ہے اور حضرت عبدالمطلبؓ کے گھر ہی میں ہوئی ہے تو بینہ شرعیہ ''شہرت'' واجماع اہل حرمین کو مسترد کر کے مولد نبوی ﷺ سے انکار کر دینا اور مسلمانوں کو اپنی نیاز مندی وجبیں سائی وحاشیہ برداری پر مجبور کرنا کس بناء پر ہے؟ حالانکہ زیارت مولد نبوی ﷺ کا استحباب علماء نے بیان فرمایا ہے اور مولد نبوی کو بر بنائے عرف وشہرت صحیح مانا ہے۔ ملاحظہ ہو منسک ملا علی قاری۔ ومورد الرائے، ومواہب لدنیہ عسقلانی وفیوض الحرمین شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ (ص۔۴۲)

شجر بیعت الرضوان:

جناب علامہ، شجر بیعت الرضوان کا ذکر فرماتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ نے شجر مذکورہ کو کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ لہٰذا ابن سعود نے مزارات وموالد ومساجد کو اُکھاڑ کر پھینک دیا۔ دونوں میں کیا فرق ہے۔

جناب علامہ کے کمالات تاریخی وشان استعداد علمی کو دیکھ کر جی تو چاہتا ہے کہ مطالبۂ تصحیح نقل کر دوں کہ آخر شجر بیعت الرضوان

کے فاروق اعظمؓ کے ہاتھوں کاٹے جانے کی روایت کہلاتے نظر سے گذری؟ مگر ہم اس کو تضییق مخاطب سمجھتے ہیں اور جناب علامہ کو بتادینا چاہتے ہیں کہ سعید بن مسیب سے وہ راوی اپنے والد سے کہ میں نے شجرہ کو دیکھا پھر جو وہاں سال بھر کے بعد آیا تو نہ پہچانا اور حضرت عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اس مقام پر سے گذرے جبکہ شجرہ فنا ہوگیا تھا تو فرمایا کہاں تھا؟ تو بعض نے کہا یہاں اور بعض نے کہا وہاں! آپ نے فرمایا: آگے بڑھو وہ شجر گم ہوگیا۔

اس درخت کے گم ہونے کی روایت تیسیر میں امام النسفی نے بھی نقل کی ہے اور روح البلیان میں اس شجر کے متعلق روایات کی توفیق فرمائی ہے کہ اصل شجر بیعت الرضوان خود غائب ہوگیا۔ لوگوں نے دوسرے درخت کو اس کی جگہ قرار دیا۔ یہ دوسرا درخت کاٹ ڈالا گیا۔

تو کیا جن حضرت عمرؓ نے شجر بیعت الرضوان کی تفتیش فرمائی اور اس کا اہتمام فرمایا اور ان پر قطع شجر کا افتراء ایک شرمناک حرکت نہیں ہے؟ مگر ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے بہ تقدیر صحت روایت حضرت فاروق اعظمؓ کو نجدیوں سے ملانے میں نہ صرف عجلت بلکہ شاندار جرأت سے کام لیا ہے۔ حالانکہ نجدیوں کی کافرانہ حرکات اور حضرت فاروق اعظمؓ سے متعلق فرضی رایت میں کھلا ہوا فاروق اعظمؓ اور روشن مابہ الامتیاز موجود ہے۔ (ص ۴۵)

تعظیم وعبادت کا فرق:

اس کا تو جناب علامہ کو بھی کم از کم زبان سے اقرار کرنا پڑے گا کہ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام کی عصمت وفائز المرامی کا ذکر ہے اور ان نفوسِ قدسیہ کی تعظیم وتکریم اور ان شعائر اللہ کی توقیر وتفہیم ایمان کا جز ولاینفک ہے اور وہ مخصوص تعظیم جس کو عبادت کہتے ہیں وہ معبودِ برحق کے ساتھ خاص ہے دوسروں کے ساتھ اُس کا برتنا کفر وشرک وظلم عظیم ہے۔

محترم کی تعظیم کی بہت سی صورتیں ہیں مگر قرآن معیار پر جب ہم تعظیم زمان ومکان معظم کی خاص صورتوں کا انتخاب کرتے ہیں اور مکان وزیان کے انتساب کو خدائی فیصلہ پر ھتے ہیں تو تین صورتیں ممتاز طور پر نظر آتی ہے۔

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق بار بار فرمایا گیا ہے اور سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام سے حکایۃً مذکورہ ہے کہ ''سلام یوم ولدت و یوم امرت و ابعث حیا'' ولادت کے دن اور وصال کے دن اور بعثت کے دن مجھ پر سلام ہے۔

ملاحظہ ہو کہ ولادتِ معظم، موت معظم، بعث معظم، کی کیسی کھلی شان اور کتنا روشن وقار قرآن کریم سے ظاہر ہورہا ہے۔ زمان ولادت معظم کی تعظیم اگر ذکر ولادت معظم ہے تو مکان ولادت معظم کی تعظیم مولد معظم ہے اور زمان موت معظم کی تعظیم اگر عرس معظم ہے، تو مکان موت معظم کا احترام تعظیم مزار معظم ہے اور زمان بعث معظم کی تعظیم اگر ذکر شفاعت معظم ہے تو مکان بعث معظم کی تکرار قیامت کے دن معظم سے درخواست وزاری ہے۔

اگر یہ نکتہ بدیعہ ذہن نشیں ہو جائے تو میلاد شریف، حاضری مدینہ منورہ، عرس شریف، زیارت قبور شفاعت وغیرہ کا ہر مسئلہ جو آئمہ وصلحاء کا دستور ومعمول بہار ہا ہے اور اجماعاً مانتے آئے ہیں سب سمجھ میں آ جائے۔

میں یہاں پر ایک حقیقت اور بھی ظاہر کر دوں کہ اسلام میں جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ عظمت وعزت کا صراحتاً ذکر ہے وہ دو قسم کے ہیں۔ایک انسان، دوسرے احجار۔

انبیاء واولیاء، وائمہ ومشائخ، علماء وعباد وزہاد وغیرہم قسم اوّل سے ہیں اور صفاء ومروہ، حجر اسود، کعبہ، مصحف، مقابر، مساجد ارض حرمین وغیرہ قسم دوم ہیں اور شجار کے متعلق کوئی حکم صریح اسلام میں نہیں ملتا۔

اگر اتنی موٹی بات سمجھ میں آ گئی ہو تو جناب علامہ ہی فرمائیں کہ فرضی طور پر قاطع شجر سیّدنا عمر اور یقینی طور پر ہادم مساجد وموالد ومزارات ابن سعود کا فرق نظر نہ آنا حیرت کی بات ہے یا نہیں؟ (ملخص۔ص ۴۵ تا ۴۷)

قول فیصل:

حضرت محدثِ اعظم ہند کی مندرجہ ذیل بالاتحریر میں کمال وجامعیت کے جو جواہر پوشیدہ ہیں وہ اصحاب علم وفضل پر بخوبی وضح ہیں۔قرآن وحدیث پر گہری نظر اور تاریخ وسیر کی تفصیلات پر عبور کی شاہکار ہے یہ تحریر نقد ونظر اور اعلیٰ ترین علمی طنز کے جلوے سے سطر سطر سے نمایاں ہیں۔ انصاف وتحقیق کی رو سے دیکھا جائے تو اس تحریر کی روشنی میں حضرت محدث اعظم ہند مسند نشین علوم وفنون اور سیّد سلیمان ندوی ان کے سامنے بالکل طفل مکتب نظر آتے ہیں اور آپ کے اس ارشاد کی کامل تصدیق ہو جاتی ہے:

یہ تھا جناب علامہ کا سرمایہ تاریخ جس کو آہنی حربہ تصور فرمایا گیا تھا اور جس پر سچائی کے لب ولہجہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ ''کیا انہیں اسناد پر مزارات کی تقدیس وتمجید کا صور پھونکا جا رہا ہے؟''

ہر مسلمان اس کا جواب یہ دے سکتا ہے کہ کیا اسی تاریخ دانی کے بُرے پر توہین وتنقیص بارگاہ نبوت وولایت پر حلف اٹھا تھا؟ مگر اسی قدر کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ کیا اسی افضل وکمال تاریخی کی پونجی پر اُمور ثابت شدہ کی بے اصلی کا طویل وعریض دعویٰ تھا؟

خواجہ محمد عبدالحیٔ فاروقی کے مضمون پر نقد ونظر:

ہمدرد دہلی (٦ رصفر ۱۳۴۴ھ) میں خواجہ محمد عبدالحیٔ فاروقی استاذ تفسیر جامعہ ملیہ دہلی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا ابتداء موصوف نے اس طرح کی ہے۔

ابن سعود ایک اللہ بنصرہ العزیز کی افواج قاہرہ نے جب طائف اور بلد حرام پر قبضہ کیا تو انہوں نے بعض قبروں کے قبوں کو بھی گرا دیا جو شرک وبت پرستی اور فواحش ومنہیات کا مرکز بنے ہوئے تھے۔''

اسے نقل کرنے کے بعد حضرت محدث اعظم ہند فرماتے ہیں: ''یہ ابن سعود کی بلائیں لیتے ہوئے دعائیں دیتے ہوئے اس کی

وحشی ٹولی کو افواج قاہرہ کہتے ہوئے طائف وبلد حرام کے مظالم کو ایک لفظ ''قبضہ'' میں داخل کرتے ہوئے ہدم مساجد ومو الدوغیرہ پر پردہ ڈالتے ہوئے فتوائے کفروشرک دیتے ہوئے مستحسنات علماء کا مذاق اُڑاتے ہوئے جناب استاد (فاروقی) کی گہر افشانی بتاتی ہے کہ یہ مضمون درحقیت کسی بڑی سے لکھا گیا ہے۔

جناب استاد (فاروقی) قرآن کریم سے قبہ شکنی کا یوں ثبوت پیش فرماتے ہیں کہ ''تمام قرآن مجید کی ورق گردانی کرنے کے بعد ہمیں صرف ایک آیت یاد آئی جس کی نسبت گمان ہو کہ قبروں پر قبے بنانے کیلئے اس سے ضرور استدلال کیا جائیگا وہ آیت یہ ہے۔ **و کذلک اعثرنا علیهم لیعلموا انّ وعد الله حق و ان الساعة لاریب فیها ان یتناذعون بینهم امرهم فقالوا ابنو علیهم بنیانا ربهم اعلم بهم قال الذین غلبو اعلیٰ امرهم لنتخذن علیهم مسجداً**۔اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حالات سے باخبر کردیا تاکہ وہ جانیں کہ خدا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت جس کا وعدہ کیا جاتا ہے اس میں کچھ بھی شک نہیں۔ اس وقت لوگ ان کے بارے میں جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ ان کے غار پر عمارت بنادو اور انکا پروردگار ان کے حال سے خوب واقف ہے، جو لوگ ان کے معاملے میں غلبہ رکھتے تھے وہ کہنے لگے کہ ہم ان کے غار پر مسجد بنائیں گے۔''

حالانکہ حنفیہ کی کی مستند کتاب ''تفسیر مدارک شریف'' میں ہے۔ ''اور اسی طرف ہم نے ان کو آگاہ کیا جس طرح ہم نے اصحاب کہف کو سلایا اور اٹھایا اُسی طرح ہم نے لوگوں کو آگاہ کردیا تاکہ جان لیں وہ جن کو ہم نے اصحاب کہف پر اطلاع دی ہے کہ بیشک اللہ کا وعدہ مرکر زندہ ہو سچا ہے ہونے والی بات کیونکہ اصحاب کہف کے سونے اور پھر جاگنے کی حالت ایسی ہے کہ جیسے کوئی مرجائے پھر اٹھادیا جائے اور بیشک قیامت میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ وہ دلیل پیش کریں اصحابِ کہف کے معاملے کو صحت بعث پر جبکہ جھگڑتے تھے یعنی ہم نے آگاہ کیا جبکہ اُس زمانے والے جھگڑتے تھے باہم اپنے معاملہ میں دین میں اور مرکز اٹھنے میں اختلاف کرتے تھے کوئی کہتا تھا کہ روح بلاجسم کا بعث ہوگا اور کوئی کہتا تھا کہ جسم مع روح کے بعث ہوگا۔ آگاہ اس لئے کیا تاکہ اختلاف جاتا رہے اور ظاہر ہوجائے کہ اجسام کا بعث ہوگا بحالیکہ زندہ ہیں حس رکھتے ہیں۔ اُن میں روحیں ہیں جیسے موت سے پہلے حالت تھی، تو سب نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو وفات دی کہ ان پر عمارت قبہ بناؤ غار کے دروازہ پر تاکہ عام لوگ اُن تک راہ نہ پائیں اُن کی تربت کی نگرانی و حفاظت کیلئے جیسا کہ محفوظ کی گئی ہے تربت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خطرہ واحاطہ سے ان کا رب ان کو زیادہ جانتا ہے۔ یہ جھگڑنے والوں کا کلام ہے۔ گویا انہوں نے اصحابِ کہف کا تذکرہ کیا اور ان کے نسب واحوال وزمانہ قیام پر بحث کی تو حقیقت کو نہ جان سکے کہا کہ ان کا رب ان کو زیادہ جانتا ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان کے رد میں جو اصحاف کہف کے بارے میں غور وخوض کرنے والے ہیں کہ انہوں نے جو غالب تھے ان کے معاملہ میں مسلمانوں سے اور ان کے بادشاہ سے اور ان کے زیادہ حق دار اور ان پر قبہ وعمارت بنانے کے زیادہ مستحق تھے کہ ہم ضرور ان پر بنائیں گے دروازۂ غار پر مسجد کو کہ اس میں مسلمان نمازیں پڑھیں اور ان کے مکان سے برکت حاصل کریں۔

یہ قرآن کریم آیۂ کریمہ اور حنفیہ کی معتبر کتاب تفسیر مدارک شریف کی عربی عبارت کا اردو ترجمہ ہے اور یہی مضمون تفسیر علامہ ابو سعود میں بھی موجود ہے۔ اس آیۂ کریمہ میں صراحتاً بناء علی القبور کا ذکر موجود ہے اور کوئی حرف ایسا نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کو پسند نہ تھا اور شرائع امم سابقہ کو حکایۃً بیان فرمانا اور اس پر جبر و اعتراض نہ فرمانا ہمارے لئے بھی وہ محبت و قابل عمل ہو جاتا ہے چنانچہ حنفیوں کی معتبر کتاب اُصول منار اور اس کی شرح نور الانوار میں یہ مسئلہ صراحتاً مذکور ہے۔ (ملخص۔ ص ۴۸ تا ۵۱)

اتخاذ مسجد و اخفاء و ابراز قبر سے متعلق تفصیلی گفتگو کرنے پھر قبر حضرت دانیال و حجرۂ قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل ظاہر کرنے کے بعد حضرت محدثِ اعظم ہند تحریر فرماتے ہیں۔

حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے زیارت قبور، قبروں کو سجدہ گاہ بنانا اور چراغاں کرنا۔

زیارتِ قبور کے متعلق صاف و صریح حدیث ہی موجود ہے کہ مروی ہے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا تو اب حکم دیتا ہوں کہ زیارت کرو۔ (رواہ مسلم) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی نے لمعات میں اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں روشن فرمایا ہے کہ ممانعت زیارۃ قبور کی تمام حدیثیں حق رجال و نساء میں اس حدیث منسوخ ہو گئیں۔

اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانا اس کے متعلق مرقاۃ مطبوعہ مصر ص ۷۰۴ میں موجود ہے کہ قبروں کے اطراف میں مسجد بنائی جاسکتی ہے۔ جن یہود و نصاریٰ کے فعل ملعون کا حدیث میں ذکر موجود ہے وہ عین قبر پر مسجد بناتے اور قبروں کو سجدۂ گاہ قرار دیتے تھے اور چراغاں کے متعلق امام علامہ عارف باللہ سیّدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ جلد دوم ص ۴۲۹ میں حدیث شریف کا مطلب یوں بتلاتے ہیں۔ راوی ابوداؤد و ترمذی۔ ''عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعن زئرات القبور والمتخذین علیها المساجد والسرج، ای الذین یوقدون السرج علی القبور عبثا من غیر فائدۃ.'' حدیث میں تو بیکار چراغاں کی ممانعت ہے۔ (ص ۵۹)

صحیح بخاری میں عمرو بن میمون سے مروی ہے: ''میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ فرمایا اے عبداللہ بن عمر! اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاؤ کہو کہ عمر بن خطاب سلام کہتے ہیں پھر درخواست کرو کہ میں قبۂ نبویہ دفن کیا جاؤں۔ اُم المومنین نے فرمایا کہ یہ تو میں اپنے لئے چاہتی تھی۔ اب اُن کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ عبداللہ بن عمرؓ لوٹے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کہو کیا ہے؟ عرض کیا کہ اے امیر المومنین! اُم المومنین نے اجازت دیدی۔ فرمایا! میرے لئے وہاں دفن ہونے سے زیادہ اہم بات کوئی نہ تھی۔

صحیح بخاری کی وہ حدیث جس میں حسن ابن سبط اکبر امام حسن کے مزار پر قبہ قائم کرنے کا ذکر ہے اس کے ماتحت ہے کہ حضرت

عمرؓ نے قبر حضرت زینب بنت جحشؓ پر قبہ قائم فرمایا۔ عینی میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی کی قبر پر اور محمد بن حنفیہ نے عبداللہ بن عباس کے مزار پر قبہ قائم کیا۔

اصابہ میں ہے: ''حکم بن عاصؓ کی موت دورِ خلافت حضرت عثمانؓ میں ہوئی تو ان کی قبر پر قبہ بنایا گیا سخت گرمی کے دنوں میں۔ لوگوں نے اس سلسلے میں چہ میگوئیاں کی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ زمانۂ خلافت فاروقی میں زینب بنت جحشؓ کی قبر پر قبہ بنایا گیا تو تم لوگوں نے کچھ کو دیکھا کہ کس نے اسے بُرا جانا؟

امام ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری پھر علامہ عینی، علامہ بیضاوی سے نقل ہیں۔ ''چونکہ یہود و نصاریٰ قبور انبیاء کا تعظیمی سجدہ کرتے تھے اور قبر کو قبلہ و جہت سجدہ بناتے تھے نماز میں اس کی طرف رخ کرتے تھے اور قبروں کو بت بنالیا تھا، الہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس کام سے روک دیا۔ ہاں! جو کسی بزرگ کے پڑوس میں مسجد بنائے اور اس قرب سے برکت حاصل کرنا چاہے تعظیم عبادت مقصد ہو اور نہ اس کی طرف نماز میں منہ کیا جائے تو حدیث کی وعید میں وہ داخل نہ ہوگا۔ (ملخص۔ ص ٦٦ تا ٦٧)

حدیث کا صحیح مطلب اور چند فقہی مسائل بتلانے اور حضرت محدث اعظم ہند تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ابولہیاج اسدی سے کیا فرمایا، اس کو جناب استاد ہی سے سنئے:

''کیا میں تمہیں اس کام کیلئے نہ روانہ کروں جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے روانہ کیا تھا، آپ نے مجھے ارشاد فرمایا تھا کہ میں کوئی اونچی قبر نہ چھوڑوں مگر یہ کہ اس کو برابر کردوں اور نہ کوئی تصویر مگر یہ کہ اس کو مٹادوں۔''

جناب استاد آپ کے پاس کیا دلیل ہے اور کون سی حجت قاطعہ نے آپ کو یقین دلایا ہے کہ اس حدیث میں قبور مسلمین ہی کا بیان ہے؟ اس حدیث میں قبور و تصاویر کا جو لگاؤ ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت کو یہود و نصاریٰ کی قبور و تصاویر کے برابر کرنے اور مٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔

زمانۂ نبوت میں قبور مسلمین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی میں بنتے تھے اور زمانہ صحابہ میں صحابۂ کرام کی نگرانی میں اور ان دونوں زمانوں میں غیر شرعی طریقے سے قبر بننے کا امکان بھی نہیں تو پھر حضورﷺ کا حضرت علیؓ کا ابولہیاج اسدی کو اصلاح قبور پر متعین فرمانا، قبور مسلمین کیلئے ناممکن ہے۔ لہٰذا حدیث میں مقبور مشرکین ہی کا ذکر ہے۔ **و اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال.**

ترمذی شریف میں اسی حدیث پر حاشیہ ہے۔ **بعث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی اسواق مکة القابر ھا عام الفتح** ۔ حضرت علیؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسویہ قبور کیلئے بازار مکہ میں سال فتح مکہ کو روانہ کیا تھا۔ دیکھ لیجئے کہ صاف قبور مشرکین ہی کے تسویہ کا حکم نکل آیا کیونکہ یہ اسی سال کا واقعہ ہے جبکہ بازار مکہ میں قبور مشرکین و کفار ہی تھے تو اب احتمال کیا شئی ہے متعین ہوگیا کہ حدیث میں قبور کفار ہی کا ذکر ہے۔ الجواہر النقی میں امام ابن ترکمانی نے اس حدیث کے متعلق یوں تصریح فرمائی ہے۔ ''نبی صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا تھا کہ کوئی اونچی قبر نہ چھوڑیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے مشرکوں کی قبریں مراد ہیں، بقرینہ عطف تصویر کے اُس پر اور مشرکین عین قبر پر بت اور بنا تعمیر کرتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارادہ فرمایا آثار شرک کے مٹانے کا۔''

حضرت محدثِ اعظم ہند نے اس کے بعد متعدد اقوال آئمہ سے ثابت کیا ہے کہ قبروں کو ہان کی شکل میں بنانا مستحب ہے، اور یہی اخلاف کا مسلک ہے۔ صرف امام شافعی کا خلاف مذکور ہے وہ فرماتے ہیں کہ قبر چبوترہ کی شکل میں ہونی چاہئے۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبر کوہانی شکل ہے۔ دقایہ میں ہے۔ **ویسنم القبر ولا یسطح** قبر کوہان کی شکل میں بنائی جائے چبوترہ کی طرح نہ ہو۔ ہدایہ میں ہے **ویسنم القبر** قبر کوکوہانی صورت میں بنایا جائے۔ عینی میں نقل عبارت ہدایہ کے بعد ہے۔ یہی قول موسیٰ بن طلحہ ویزید بن ابی حبیب وثوری ولیث وامام مالک وامام احمد کا ہے۔ (ملخص۔ص ۷۰ تا ۷۳)

حدیث نبش قبور جو بخاری میں مروی ہے اُس کے ماتحت عمدۃ القاری میں ہے۔ ''حدیث نبش قبور کے معنی ظاہر ہیں اور وہ کفار کی قبروں کو کھود کر پھینک کر برابر کردینے کا جواز ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر کفار کی قبریں خواہ انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہوں یا مسلمانوں کی ان کو کھود کر برابر کرنا ناجائز ہے، کیونکہ اس میں ان کی توہین ہے، لہٰذا احرام ہے کیونکہ مسلمانوں کی عزت مردہ ہو یا زندہ کبھی ختم نہیں ہوتی۔''

طبقات ابن سعد میں ہے۔ قانت فاطمۃ تاتی قبر حمزۃ تومہ وتصلحہ۔ حضرت فاطمۃ الزہرا حضرت امیر حمزہؓ کی قبر پر آ کر اس کی مرمت اور درستگی فرماتی رہتیں۔

مجمع البحار جلد سوم میں ہے۔ بیشک آئمہ سلف نے اہل فضل وکمال وعلماء کے مزارات پر قبہ وعمارت بنانے کو مباح فرمایا ہے تا کہ لوگ ان کی زیارت کریں اور ان میں راحت پائیں۔ درمختار میں ہے۔ قبور پر قبہ بنانے کا جواز مسلک مختار ہے۔ علامہ سیّد احمد طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں اس کی تائید فرماتے ہیں قبروں پر قبہ بنانا جائز ہے۔ یہی مختار ومفتیٰ بہ ہے۔ (ملخص۔ص ۷۴ تا ۷۶)

مفتی کفایت اللہ کے فتویٰ پر ایک طائرانہ نظر:

مفتی محمد کفایت اللہ شاہجہانپوری کا ایک فتویٰ الجمعیت دہلی ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا تھا، جس پر مولوی احمد سعید دہلوی ومولوی محمد میاں دہلوی وغیرہم کی تائید بھی ہے۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ اسے ''مراسلات'' کے عنوان سے اس نوٹ کے ساتھ چھاپا گیا۔

''ایڈیٹر کا مراسلہ نگاری کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔''

حضرت محدث اعظم ہند نے قال کہہ کر مفتی مذکورہ کی عبارت لکھ کر اقوال کے عنوان سے اس کا جواب دیا ہے۔ مفتی صاحب کا فتویٰ تقریباً بے سند وحوالہ ہے اور باتیں بھی لگ بھگ وہی ہیں جو پہلے گذر چکیں اس لئے کسی مزید تبصرہ کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

مولوی کفایت اللہ نے اپنا مضمون اس جملہ پر ختم کیا ہے:

''ہمیں جہاں تک معلوم ہے ابن سعود کے عقائد اور اعمال میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو ان کو قابل الزام قرار دے۔ صرف نجدی ہونے سے ان پر ملامت کی بوچھاڑ اہل حق کا شیوہ نہیں۔''

کیا ہم مولوی صاحب کو ایسا ہی بھولا بھالا بے خبر سمجھ لیں کہ قبہ شکنی کے سوا آپ کو کچھ معلوم ہی نہیں ہوا نہ بداعتقادیاں معلوم ہوئیں نہ کلمات کفریہ نہ بے گناہوں کا قتل آپ کو معلوم ہوا نہ مستورات کے ساتھ بے شرمیاں نہ مقابر کا نبش معلوم ہوا نہ مساجد کا ہدم نہ صفاء و مروہ کی تجیس معلوم ہوئی نہ دیوار حرم کے پاس بول و براز کرنا نہ درود شریف سے روک دینا معلوم ہوا۔ نہ خطبات کا بند کردینا اور نہ مآثر کا گرانا معلوم ہوا نہ وہاں نجاست پھیلانا۔

اگر بے علمی کا یہ حال ہے کہ قبہ شکنی کی خبر اس مستفتی کے ذریعہ معلوم ہوئی ہوگی ورنہ خواب راحت تک کسی خبر کا گذر بھی نہیں ہوسکتا تو اندیشہ ہے کہ اس خبر کے متعلق بھی فرمادیا جائیگا کہ جب آنکھ کھلی تو مدرستہ امینیہ (دہلی) میں چٹائی پر پڑے تھے۔ (ص۔٨٨ تقوی القلوب)

تلک عشرۃ کاملۃ:

کوئی ''قرشی'' صاحب ہیں جنہوں نے ''مزارات حجاز'' کے نام سے ایک بے جان رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ جس کا حضرت محدثِ اعظم ہند نے اپنی اس کتاب میں اچھی طرح جائزہ لیا ہے اور کافی وشافی جواب عنایت فرمایا ہے۔ لیکن اعادہ وتکرار موضوع اور طوالت تعارف کے خوف سے ان چند مختصر کلمات کے ساتھ میں اپنی بات ختم کرتا ہوں جنہیں آپ نے مؤیدین ابن سعود کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

- ...... آپ حضرات قبہ شکنی میں تو بڑی بہادری دکھاتے ہیں وہ بھی مآثر وموالد پر بناعلی القبور کہا جاسکتا ہو۔ لیکن ابن سعود کے دیگر اعمال کے حق میں بھولے بھولے بن جاتے ہیں۔ اب آپ اس کے تمام کافرانہ حرکات کو قرآن وحدیث سے ثابت کیجئے تو منہ سے کچھ بولئے اور ابن سعود کی صفائی دیجئے۔
- ...... شرک وکفر کا فتویٰ دیتے ہوئے کم از کم صحابہ وآئمہ کا دامن تو بچالیا کیجئے ورنہ مسلمانوں کو آپ کی تکفیر ولعنت مرعوب نہ ہوسکے گی؟
- ...... اپنے خلاف اگر کوئی روایت ملے تو اس پر پردہ نہ ڈالیئے۔ ہاں! تاب ہو تو نقل کرکے شرعی اصول سے رد کردیجئے کہ اس سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔
- ...... کوئی بات بے سند نہ ہو اور تحریف سے توبالکل ہی توبہ کرڈالیئے۔

- ...... مسلمانوں اور علماء اسلام کو مکروہ اور نجس الفاظ نہ یاد کیجئے ورنہ دشمن کے منہ میں بھی زبان اور ہاتھ میں قلم ہے۔
- ...... محض ذکاوت سے مسئلہ شرعیہ کو طے نہ فرمایا کیجئے۔ نقل کے بغیر منقولی مسئلہ طے نہ ہوگا۔
- ...... دشمن کی تحریر بھی نیک نیتی سے اور ٹھنڈے دل سے پڑھئے اور حق اگر ظاہر ہو جائے تو ہٹ دھرمی سے کام نہ لیجئے۔
- ...... آپ لوگوں نے تو اپنی قوت گنبد خضراء کے ہدم پر صرف کر ڈالی مگر بن سعود کو اس سے بڑھ کر جرأت دکھانے سے منع کیجئے۔ ورنہ قلم کہیں تلوار اور زبان گولیوں اور میدان مناظرہ میدان جنگ میں نہ بدل جائے۔
- ...... اپنے دشمنوں کے آپ کے نزدیک غلط صحیح جیسے بھی مذہبی جذبات ہیں ان سے بالکل بے پرواہ نہ ہو جایئے اور دم تغافل سے ٹھکرایئے، اگر آپ انبیاء و اولیاء پر ایمان نہیں رکھتے تو ماننے والوں کی تعداد پر نظر کر کے ان کے حقوق کو پامال نہ کیجئے۔
- ...... ہماری اس تحریر پر غصب وقہر نہ دکھایئے اور اگر چہ کسی جاہل کو آپ ضرور مسلمانوں کے خلاف کھڑا کر دیں گے جس کا تجربہ ہے مگر مہربانی فرما کر ابھی رد کیلئے آمادہ نہ ہو جائے۔ بالفعل مسلمان ایک مذہبی غم میں مبتلا ہیں اور آپ سے گفتگو جاری رکھتے تضیع اوقات کرنا اُن کو پسند نہیں ہے۔ جب ارض حرمین ابن سعود سے پاک ہو جائے اور مسلمانوں کو اطمینان ہو تو صرف آپ کا یہ دعا گوئے ہدایت آپ کیلئے کافی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

الخطبہ الاشرفیہ

منعقدہ ۲۷/تا ۳۰/اپریل ۱۹۴۶ء

الحمد لله اله العوالم رب العلمين الرحمن على عبادهٖ الرحيم على كافته المومنين خالق السموت والارض مالک يوم الدين الهم نحن نومن بک واياک نعبدواياک نستعين ادهنا الصراط المستقيم طريق اهل سنت و الجماعت والحق اليقين الصراط الذين انعمت عليهم من النبيين و الصديقين و الشهداءِ والضالين من النصارى واهل الفلال والمرتدين آمين!آمين! ياغياث المستغيثين وياكرم الاكرمين والصلوة والسلام الاتمان الاكمان على من ارسل الى كافة الخلق بشير او نذيراً وه اعيا الى الله باذنهٖ وسراجاً منيراً تاتايا الشرع المبين والقرآن الحكيم المتين والبينات الهدىٰ فاظم الغيوب و نورالافئدة والقلوب تنويراً انهٗ صلى الله تعالىٰ عليه واله واصحابهٖ وسلم بل الله وعروة الوثقىٰ و نعمته الكبرى جعله الله تعالىٰ اللخلائق اجمين ظهيراً من اعتصم بهٖ قدنجىٰ و من خالف فقد غوىٰ فلم يجد احد اولياء نصيراً و علىٰ والهٖ واصحابهٖ واتباعهٖ واولياء و علماءِ امته وشهداءِ محبته صلاة واسلاماً ابلدياً وهرياً كثيراً كثيراً امابعد..............!

مشائخ کرام! علمائے اسلام، اعیان اسلام و برادرانِ اہلسنّت و جماعت! میں آپ کا ایک لمحہ بھی دوران کار بحث ضائع نہیں کروں گا کہ مجلس استقبالیہ کی صدارت کی خدمت کیلئے میرا انتخاب قابل شکوہ ہے یالائق شکر ہے اس کو اراکین مجلس ہی جانیں میں تو آج اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ یہ مقدس اجتماع میرے لئے بالکل ایسا ہے کہ ایک بیمار کو بے شمار معالج مل گئے ہوں ایک فریادی کو ہزاروں اصحاب عدل و داد میسر آگئے ہیں مجھے یاد ہے ۲۰/تا ۲۳/شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۶/تا ۱۹/مارچ ۱۹۲۵ء کی تاریخیں تھیں مرادآباد کا جامعہ نعیمیہ کا عظیم الشان میدان تھا اور ملک وملت کے حقیقی رہنماؤں کا جھمگھٹا تھا اور بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ حضرت بابرکت شیخ الانام حجتہ الاسلام مولانا شاہ حامد رضان خان صاحب قدس سرہٗ کا تاریخی خطبہ استقبالیہ پڑھا جارہا تھا، جس کا لفظ بہ لفظ آج بھی وہی معنویت اور نور وہدایت رکھتا ہے جو اس وقت میں تھا اور جس کی کھلی کھلی پیشگوئیوں کو ہماری بدقسمت آنکھوں نے دیکھا اور عالم ربانی عارف باللہ کے نور فراست کو آخر دنیا کو مان لینا پڑا جس کو یاد کر کے ہمارے دل کی گہرائیوں سے بے ساختہ آہ نکلتی ہے کہ کاش ہم درمیانی مدت کو ضائع نہ کرتے اور کاش دشمنانِ اسلام کو ہم اسی دن پہچان گئے ہوتے تو آج ہم کتنے بلند مقام پر ہوتے اور درندگان

زمانہ نے اسلام کی بھولی بھالی بھیڑوں کو جو شکار کر لیا ہے ہم اس عظیم مصیبت سے محفوظ رہتے آیئے! ہم اور آپ سورۃ اخلاص کا تحفہ روح حضرت حجۃ الاسلام کو ہدیہ کریں اور ان تمام اعیان اسلام کو ہدیہ کریں جن کو ہم اس عرصہ میں گم کر چکے ہیں۔

حضرات! وقت اب اس منزل سے دور نکل چکا ہے کہ اظہار مدعا سے پہلے کوئی تمہید عرض کی جائے اور منتشر تصورات کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کیلئے خطبات کے جوہر دکھائے جائیں اب تو یہی ہمارے لیل ونہار کی گردش اور یہی رات ودن کا چکر اور روزانہ نئے مظالم اور فتنوں پر نکلنے والا آفتاب اور نت نئی تاریکیوں اور ظلمتوں کا گواہ ماہتاب، مسلمانوں کی بے نظمی اور ستیوں کی بیکسی اور اعداء کی تیاریاں، دشمنوں کی چالاکیاں، تعدادی غرور والوں کی نبرد آزمائیاں سرمایہ داروں کی ستم آرائیاں اور سب سے بڑھ کر ضمیر فروشوں کی غداریاں اور مسلم رہنماؤں کی اسلام دشمنیاں جن کو ہم آج ہر ہر منٹ دیکھ رہے ہیں یہی ہمارے اظہار مدعا کی تمہید ہیں اور اب اسلامی فریضہ اجازت نہیں دیتا کہ ایک منٹ کی تاخیر اس لئے گوارا کی جائے کہ الفاظ کی الجھنوں اور عبارت آرائی کے گورکھ دھندے میں پھنسا جائے۔

اے ہمارے مشائخ کرام اور اے ہمارے علمائے اعلام نائبانِ خیر الانام! ہم نے آپ کو زحمت دی اور آپ نے آج کل کے سفر کی دشواریوں کو برداشت فرمایا اپنا قیمتی وقت عطاء فرما کر ہمیں نوازا۔ آپ کی زیارت نے ہماری دل نوازی کی آپ کے دیدار نے ہمیں زندگی کی آس بخشی آپ کی کرم نوازی پر ہم نے اپنے رب کو سجدے کئے کہ اس نے ہم دردمندوں پر رحم فرمایا اور ہمارے سچے رہنماؤں اور دینی قائدوں کا سایہ کرم ہمارے سروں پر لاکر چھا دیا اب ہم اس عہد کے ساتھ کہ اب ہم اپنے آپ کو اپنی جان کو اپنی اولاد کو اپنے مال کو اپنی عزت کو آپ کے سپرد کر کے فریاد کرتے ہیں کہ معبود برحق کے پجاریوں وہ معبود جس کو ہر ہر سانس میں آپ نے یاد رکھا ہے اور جس سے ایک آن کی غفلت بھی آپ نے گوارا نہیں کی آپ کے رسول پاک ﷺ کے نام لیواؤں وہ رسول پاک ﷺ جس کے ناموس و وقار کا پرچم ہاتھوں میں اور جس کے شہود ونمود کے جلوے آنکھوں میں اور جس کے دبدبے اور شوکت کے سکے دلوں میں آپ نے جمائے اس کے کلمے پڑھنے والے پھولوں کو اعداء نے خار بنالیا ہے۔ رسول پاک کی بھولی بھالی بھیڑوں کی تاک میں لگ گئے ہیں دولت پر ڈاکے اقتدار پر بمباری، ایمان واعتقاد پر دھاوا، عزت پر حملے ان کی تنظیم میں انتشار وتفریق کی سازشیں ایک مسلم قوم پر ساری دنیا ظلم وتعدی کیلئے اتر آئی ہے اور ہمارے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ جلد سے جلد اپنے چارہ سازوں کی طرف دوڑیں اور ان دامنوں میں پناہ لیں جن کو ہمارے مقدس اسلام نے ہمارے لیے پناہ گاہ بنایا ہے ہمارے دعوت نامے بالکل صحیح طور پر آہ مظلوم ماں کی شرح تھے ورنہ ہندوستان نے بلکہ ساری زمین نے کب دیکھا تھا کہ دعوت دی گئی اور اس شرط کے ساتھ کہ ہم آپ کو سوکھی روٹی بھی نہ دے سکیں گے قیام گاہ درختوں کے سائے کے سوا ہمارے پاس نہیں ہے۔ جس دن محکمہ راشن نے ہم کو راشن دینے سے انکار کر دیا اور ہم کو اعلان کرنا پڑا کہ ہم ایک نوالہ بھی کھلا نہیں سکتے آپ اپنا کھانا ساتھ لے کر آئیں تو ہماری حالت عجیب تھی۔ آپ کی عظمت کا دربار ہمارے سامنے تھا جہاں ہم مجرم کی طرح شرمندہ سرنیچے کیئے کھڑے تھے اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ہم آپ کو کیا

منہ دکھائیں بنارس کا ایک ایک سُنّی ایسا ہوگیا گویا کہ جسم میں جان نہیں ہماری استقبالیہ کمیٹی کی ہائی کمان کا ہر فرد اپنا کھانا بھول گیا اور ہم اپنی زندگی پر خود شرمندہ تھے کہ اچانک دلوں سے ہوک اٹھی اور بے اختیار آہ کی طرح سر اٹھا۔ زبان پر اللہ اور یارسول اللہ آ گیا آسمانی رحمتوں کو حسرت بھری نگاہیں تکنے لگیں عالم تصور کعبہ لے گیا طیبہ لے گیا۔ بغداد پہنچے اجمیر گئے سامنے آزمائش وابتلاء کی زمین آ گئی اور کربلا کا خطہ زمین آنکھوں میں سما گیا اور جیسے کسی نے کہہ دیا کہ یہ تو میدان کربلا میں تیرہ سو برس سے زیادہ ہوئے طے ہوگیا کہ دانہ پانی بند کر کے دنیا نے اہل حق کو اعلانِ حق سے روکنے میں کامیابی حاصل نہ کی امام حسینؓ کی قربانیوں نے دل تھام لیا۔ کربلا کے بے آب و دانہ شہیدوں نے ثبات قلب عطاء فرمایا اور ہماری عقیدت کی دنیا کا ذرہ ذرہ کہنے لگا کہ حق پرست اور مقدس صابرین ہماری بے کسی و نااہلی پر رحم فرمائیں گے اور ہماری آہ سے ضرور تڑپیں گے اور ہماری رہنمائی کیلئے ہمارے راہنما بلاشرط آ جائیں گے ہمارا یہ احساس جاں بخش ہوا یقیناً یہ غیبی آواز تھی چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں اور اے دنیا بھر کے دیکھنے والوں! کہ آج ہمارے راہنما ہماری فریاد پر ہندوستان کے گوشے گوشے سے آ گئے ہیں اور بلاشرط آ گئے بیشمار آ گئے ہمارے اجلاس بینظیر اجلاس ہونے کی وجہوں میں سے سب سے زیادہ عظیم وجہ یہ ہے جس کو آج تک ہندوستان نے کبھی نہیں دیکھا اور آئندہ ہمیشہ حیرت کرتا رہے گا۔

اے ہمارے بزرگو! ممکن ہے کہ آپ کو حیرت ہو کیونکہ ہم سے ملک میں جابجا کہا گیا ہے کہ ہم نے فریاد کیلئے بنارس کا انتخاب کیوں کیا؟ اور ہم نے مل کے طوفانی دورے میں سب کو یہی جواب دیا کہ ہندوستان کا نقشہ دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ بنارس ہندوستان کا مرکز ہے ہر طرف سے آنے والوں کیلئے برابر کا فاصلہ پڑتا ہے لیکن اب آپ بنارس آ چکے اور مغرب سے آنے والوں نے دیکھا کہ بنارس سے متصل وہ شہر جونپور ہے جو سلاطین شرقیہ کا دارالسلطنت رہا ہے اسٹیشنوں کے اسلامی نام اکبر پور، شاہ گنج، ظفر آباد، جلال گنج، خالص پور وغیرہ راستے میں پڑے ہوں گے مشرق سے آنے والوں نے بنارس سے پہلے مغل سرائے پایا ہوگا شمال سے آتے ہوئے تاجپور، یوسف پور، غازی پور، سیّد پور ملے ہوں گے جنوب سے آنے والوں کو الٰہ آباد، مرزا پور سے گزرنا پڑا ہوگا بنارس کے حاشیہ پر مسلمانوں کی قائم کردہ آبادیاں بتاتی ہیں کہ بنارس مسلمانانِ ہند کی نگاہوں میں ہمیشہ مرکز توجہ رہا ہے اور اس شہر پر کنٹرول رکھنا ہمارے موروثوں کی وراثت ہے بنارس کے گھاٹ کی زینت وہ مسجد ہے جو حضرت عالمگیر کی بلند نظری کی گواہ ہے اور وہ جامع مسجد ہے جس کی اینٹ اینٹ تاریخ کا عظیم الشان دفتر ہے دہلی کی طرح یہ شہر شہر ہے جہاں اب تک شاہانِ مغلیہ کی نسل آباد ہے ہماری مجلس استقبالیہ کے صدر مرزا جہانگیر بخت لال قلعہ دہلی کے حق دار وارث اسی بنارس میں رہتے ہیں بنارس کا ایک محلہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں گنج شہیداں نہ ہو شہر سے جس طرف نکل جائیں کوئی نہ کوئی مسلم الثبوت عارف باللہ آسودہ زمین ہے اور سارا حاشیہ اولیاء نگر ہے اور آپ جانتے ہیں کہ حاشیہ متن کی اہمیت کو بڑھاتا ہے اور اس کی گتھیوں کو سلجھاتا ہے یہی آثار صنادید ہیں جو اس شہر کی دینی سیاسی اہمیت کی معتبر اور مفصل تاریخ ہیں اور اس روشن ماضی کے آثار سے یہ بھی ہے کہ یہ شہر برطانوی اصطلاح و اعلان میں تقریباً ایک لاکھ مدعیان اسلام پر مشتمل ہے جو عموماً تجارتی و صنعتی دنیا کے ماہر ہیں اور جن میں اہلسنت و جماعت کی تعدادی برتری بعونہٖ تعالیٰ نوے فیصد ہے ایک

ایک محلہ میں مشائخ عظام کی ۲۔۳۔۴ خانقاہیں ہیں سلاسل رابعہ، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ کا فیض عام ہر طرف جاری ہے اسی شہر میں خانقاہ اشرفیہ ہے۔ جو علماء و مشائخ کی خدمت کرنے میں زبان زد ہے ہماری مجلس استقبالیہ کے ناظم رسل و رسائل اور ہمارے برادر طریقت شیخ عبداللہ صاحب کنٹریکٹر ڈیری اسٹیشن بنارس کینٹ کے بازوئے ہمت پر جس کی مکمل ذمہ داری ہے اس شہر میں عربی علوم کے لیے دو مشہور مدرسے ہیں ابتدائی دینی تعلیم کے ایک درجن سے زیادہ مکاتب ہیں مدرسہ حمیدیہ رضویہ، مدرسہ فاروقیہ اشاعت الحق اہلسنّت والجماعت کے دو مستقل ادارے ہیں جن میں سے پہلا مدرسہ ہمارے محترم خازن اور آل انڈیا سنی کانفرنس کے اصل داعی حاجی جلال الدین صاحب اور ہماری مجلس استقبالیہ کے رکن اعظم جناب عبدالقیوم صاحب صدر مدرسہ کی حوصلہ مندیوں اور دوسرا مدرسہ ہماری سنی کانفرنس بنارس مدنپورہ وارڈ کے ناظم حاجی عبدالغفور صاحب کی جانکاہوں کا نمونہ حسنہ ہیں۔

سرآمد شعراعلیٰ حزیں اس شہر بنارس میں آ کے چپکے تو جانے کا نام نہ لیا۔ جانے کس نے جانے کا نام لیا تو چیخ پڑے کہ "از بنارس نروم" پچھلے عہد میں بھی کتنے دن کی بات ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالحمید صاحبؒ بنارس آئے تو اپنے وطن پنجاب کو واپس نہ گئے بنارس کو اپنا وطن بنالیا۔ حضرت کی شہر میں بے شمار یادگاریں ہیں جن میں قابل تذکرہ خانقاہ حمیدیہ بھی ہے۔ جو تاج بابا محل کے اندر واقعہ ہے اسی خاندان تاج کے چشم و چراغ ہماری مجلس استقبالیہ کے رکن اعظم حافظ اعظم صاحب ہیں غرض بنارس کے ذرہ ذرہ میں اگر بدھ مت کی مفروضہ پرانی تاریخ ہے تو اسلام کی تہذیب کا دفتر بھی ہے اور یہ ایسا تاریخی شہر ہے جس نے علم و عرفان سیاست و اقتدار ادب و تمدن میں قوم مسلم سے فیضیاب ہونے میں ہمیشہ امتیاز درجہ رکھتا ہے میرا وطن کچھوچھہ شریف بنارس کا مستقل دارالشفاء ہے آسیب زدہ، مجانین، ماجری نہیں بلکہ سر میں درد ہوا۔ نزلہ تین روز سے زائد رہ گیا تو بنارسی کچھوچھا پہنچا اس کثرت آمد و رفت اور یہاں سلسلہ اشرفیہ کی وسعت کا نتیجہ ہے کہ میرے بنارسی بھائیوں نے مجھ کو بنارسی ہی قرار دیا اور میں بحیثیت ایک بنارسی کے اپنی جماعت استقبالیہ بنارس کی ترجمانی کررہا ہوں میں اس موقع پر اپنے بنارسی بھائیوں کے ہم وطن قرار دینے پر فخر محسوس کرتا ہوں۔ لیکن اس منصب کے قبول کرنے پر شرط لگادی ہے کہ میری کسی لغزش کی چشم پوشی اور میری کسی خطاء پر پردہ داری کی گئی تو میدان حشر میں دعوے دار ہوں گا میرے بھائیوں نے مجھ کو یقین دلایا ہے کہ میرے قدم قدم پر میرے لفظ لفظ پر اور پرسکون اور حرکت پر ان کا کنٹرول رہے گا۔ وللہ الحمد۔

میں خیال کرتا ہوں کہ ہندوستان کے اس تاریخی شہر کی اہمیت اسلامی سلاطین نے اولیاء کاملین نے علمائے ربانین نے جو محسوس کی تھی اس پر مہر تصدیق ثبت فرمانے کیلئے آپ حضرات کو یہاں مجتمع کرنا اب ایسی بات نہیں رہی جس پر ذرا بھی تعجب کیا جائے۔

اے ہمارے بزرگوار اور مقدس رہنماؤ! ہم نے آپ کو اس گرانی کے زمانے میں اور سفر کے ناقابل برداشت دور میں ایک بارگی ایک ساتھ ایک میدان میں رونق افروز ہونے کی زحمت کیوں دی؟ حالانکہ آپ ہمیشہ اپنی جگہوں پر رہنمائی فرماتے رہیں ہیں اور ہم آپ حضرات کی خدمات میں حاضر ہو کر ہر ایک سے اپنا مداوا حاصل کرسکتے تھے آپ نے رہنمائی میں کبھی بخل فرمایا نہ کبھی آپ تک پہنچنے میں کبھی ہمیں کوئی رکاوٹ ہوئی باایں ہمہ ملک بھر کے اعاظم کو زحمت دینے کی بے ساختگی ہم سے اس وجہ سے ہوئی کہ واقعات نے

ہمارے حواس گم کردیئے اور اہل زمانہ کے غیر معمولی مظالم میں اتنی کثرت بڑھ گئی کہ ہم اپنے ہوش کو درست نہ رکھ سکے حجاز مقدس جو ہم سنیوں کی ایمانیات کا گہوارہ ہے اور جس کے ذرہ ذرہ سے سنیوں کی دینی روایات وابستہ ہیں اس پر نجدی فتن وزلازل کو مسلط کردیا گیا ہے وہ ارض مقدس اب تک ان فتنوں کی آماجگاہ ہے۔ فلسطین کے سنی بھائیوں پر بے رحم یہودیت ستم آرائیوں کی مشق کرنے کیلئے مسلط کی جارہی ہے ہمارے جاوا سماٹرا انڈونیشیاء کے سنی بھائیوں پر توپ اور بم کی بارش ہورہی ہے اور ان بے گناہوں کی خطاء صرف اتنی ہے کہ وہ سنی مسلمان ہیں وہ اپنے مقدس دین کی آزادی کو کسی قیمت پر چھوڑنے کو تیار نہیں ہمارے ملک میں صرف اہلسنّت والجماعت کو پامال کرنے کیلئے غیر مسلم اکثریت کا سانڈ چھوڑ دیا گیا ہے اہل باطل کی ٹولیاں کو سنیوں پر بھونکنے کیلئے پالا جارہا ہے اور قیامت یہ ہے کہ سنیوں کو ختم کرنے کیلئے جن درندوں کو راشن دیا جارہا ہے ان کا نام بھی سنی رکھ دیا گیا ہے۔ ابن عبدالوہاب کا پرستار اپنے کو سنی کہتا ہے یزید ابن سعد کا پجاری اپنے کو سنی کہتا ہے۔ سنیوں کو تباہ کرنے کی سازش کا نام "سنی بورڈ" رکھا جاتا ہے۔ سنیوں کو اپنے وطن میں نہ رہنے دیں۔ سنیوں کو وطن سے نکالیں سنیوں کو کی ایمانیات پر حملہ کریں سنیوں کے عقائد پر ڈاکہ ڈالیں سنیوں کی سیاست میں روڑے اٹکائیں اور پھر بھی سنی کے سنی بنے رہیں۔ یہ وہ مصیبت عظمیٰ قیامت کبریٰ ہے جس نے سنیوں میں لوٹ مچا رکھی ہے آج کا وہابی کل کا سنی تھا آج کا قادیانی کل کا سنی تھا آج کا خارجی کل کا سنی تھا اس طرح سنیوں کے گھر میں آگ لگادی گئی ہے اور ایک ایک کا شکار کھیل کر سنیوں کے خلاف شکاریوں نے مستقل سازش رکھی ہے اور انہی پالتو اور شکار کئے ہوئے افراد کے بل بوتے پر آگ مار کر لیڈر سنیوں کو آنکھیں دکھاتے ہیں سول وار (خانہ جنگی) کی دھمکی دیتے ہیں کس قدر ہوشربا واقعہ ہے کہ ہندوستان سنی مسلمانوں کا ملک تھا۔ سنیوں نے ہزار سال اس ملک پر حکومت کی اور تہذیب کی بنیاد رکھی لیکن اب ان کا وجود نہ راعی کی نظر میں ہے اور نہ رعایا کی نگاہ میں ہم جہانگیر و عالمگیر کے وارث کچھ نہ رہے اور برطانوی پالیسی کی پیداوار تین تین کی ٹولیاں سب کچھ بن رہی ہیں امام الہند بننے کی ترکیبیں نکالی جارہی ہیں امیر شریعت اپنے کو کہلایا جاتا ہے۔ ہمارا مقدس و برگزیدہ نام جو ہمارے آقا حضور پرنور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اور ہمارا ہی مکمل پتہ بتایا تھا کہ مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِی یعنی اہلسنّت والجماعت۔ اس کا مجرمانہ استعمال اپنے لئے وہ کررہا ہے جو سنیوں کو ہلاک کردینے کا حلف اُٹھا چکا ہے سنیوں کے پیسے سے مدرسہ چلایا جاتا ہے اور اس میں ایسے دل ودماغ تیار کئے جاتے ہیں جو سنیوں کو ستائیں جمہوریت اسلامیہ سے ٹکرلیں اسلامی اتحاد میں انتشار پیدا کریں اسلامی ہم آہنگی کو صدمہ پہنچائیں ہمارے سلاطین و امراء، خواص وعوام کی بنائی ہوئی مسجدوں پر قبضہ ہمارے دشمن کا ہماری تعلیم گاہوں پر جھنڈا، ہمارے محاربوں کا ہماری خانقاہوں میں رسائی، خانقاہ شکنوں کی ایک بات ہو تو عرض کی جائے۔

تن ہمہ داغ داغ شد
پنبہ کجا کجا نہم

غضب یہ ہے کہ یہ سارے منظم فتنے اور تمام مہلک خطرے آپ کے سامنے ہیں آپ کے دیکھتے ہوئے سنیوں کا جینا دشوار ہو رہا ہے آپ کی آنکھوں کے سامنے سنیوں پر گھیرا ڈالا جا رہا ہے اور آپ کی موجودگی میں آپ کی رسول کی امت دن دھاڑے لوٹی جا رہی ہے سنیوں کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کر ان کے سبوح وقدوس خدا جس کے سرادقات جاہ وجلال تک کسی عیب کی رسائی نہیں اس کو بلا تکلف جھوٹا کہا جا رہا ہے سنیوں کو ایذا دینے کیلئے فضیلیت علم میں شیطان کو رسول پر بڑھایا جا رہا ہے رسول پاک کے علم کو پاگلوں، چوپایوں کی طرح قرار دیا جاتا ہے آج ختم نبوت کا انکار ہے تو کل کوئی مدعی نبوت نکل پڑا ہے بے دین مشرک پرست خود ہیں اور ہم دینداروں کو بدعتی مشرک کہتے ہیں دین فروشی ملت فروشی وہ کریں اور سنیوں کو ملت فروش بتائیں نام لیں مدح اہلبیت کا اور برا کہیں اصحاب پر دعوت دیں مدح صحابہ کی اور کام کریں قدح اہل بیت کا یہ تو دین پر بمباری ہے دنیا میں سنی بازار سے نکالا جا رہا ہے اس کو مقروض بنا کر دبایا جا رہا ہے اس کی وراثت حکومت کو غصب کیا جا رہا ہے آخر یہ سب کیوں ہے؟ کیا ہماری قوم میں کوئی ہمارا سردار نہیں؟ یہ تو صراحتاً غلط ہے بعونہ تعالیٰ ہمارے قدرتی اور خلقی سردار ہمارے علماء ومشائخ ملک کے اس آسمان وزمین کو سنبھالنے والے اتنے ہیں کہ ان کے شمار کی حد ہزاروں کے بعد بھی معلوم نہ ہوسکی تو پھر کیا وہ ہمارے سنتے نہیں یا پھر ہمارے حال کو دیکھتے نہیں؟ یہ بھی غلط ہے وہ نہ سنیں تو پھر سننے والا کون ہے؟ وہ نہ دیکھیں تو پھر دیکھنے والا کون ہے؟ تو کیا وہ غافل ہیں؟ یہ بھی غلط ہے جس کی گہری نیند پر غفلت کا گزر نہ ہو سکے وہ بیداری میں کیسے غافل رہے گا تو کیا وہ ہم سے بے پرواہ ہیں؟ یہ بھی غلط ہے ہمارے لیے گاؤں گاؤں پھرنا، وادی وادی، چوٹی چوٹی، شہر بہ شہر قریہ قریہ پھرتے رہنا۔ ہمارے ایمان کو سنوارنا ہمارے عمل کو سجانا ہماری گئی ہوئی حکومت کو یاد دلانا ہماری تاریخ کو دہرانے کی سعی کرنا اور ایسے دور میں جب پیری مریدی پر چوٹ کرنا فیشن ہو دین اور علم دین کا نام لینا قہقہہ کی نذر ہو مشائخ کو قوم پر بار گراں کہا جا رہا ہو علماء دین پر انگشت نمائی کا دستور بنا لیا گیا ہو پھر بھی دین کا ذمہ داری سنیوں کا سردار طبقہ بر طعن بے نیاز ہو کر وہی کر رہا ہے جو اس کا منصب ہے اس کے آقا کی سلطنت مصطفویہ ﷺ نے ان کو جس کرسی پر بٹھا دیا بعونہ تعالیٰ پوری ذمہ داری کے ساتھ وہ ڈیوٹی میں لگے ہوئے ہیں۔ ان پر فرقہ وارانہ ذہنیت کی پھبتی کسی گئی ان کو پرانی لکیر کا فقیر کہہ کر ہنسا گیا اور وہ کون سی اذیت ہے جو ان کو نہ پہنچی مگر مرحبا اور ہزار مرحبا بیشمار مرحبا ان کے عزم وثبات کو ہمت واستقلال کو کہ یہ مبارک طبقہ اپنے کام میں لگا رہا اور اپنے پاک مقصد سے بھی نہ ہٹا اور اپنے مقدس فتویٰ کا ایک حرف بھی نہ کاٹا اور اپنے علم وعمل کی یگانگت میں فرق نہ آنے دیا یہ اسی گروہ پاک کے عزم پاک کا نتیجہ ہے کہ ان کے پیغام کی آواز کی بازگشت آج یونیورسٹی سے کالج سے اسکول کے کوچہ وبازار سے درودیوار سے آ رہی ہے اور ہندوستان کا کون سا سنی ہے جو نعرۂ پاکستان سے بے خبر ہے دنیا نے بڑی تلاش کے بعد اس تخیل کی ابتدائی کڑی کا نام ڈاکٹر اقبال بتایا ہے لیکن اس کو آج سنئے کہ اس پیغام کیلئے قدرت نے عہد حاضر کے ہندوستان میں جس کا انتخاب فرمایا وہ ہمارے آل انڈیا سنی کانفرنس کے ناظم اعلیٰ اور بانی ہمارے صدر الافاضل استاذ العلماء کی مقبول وبرگزیدہ ذات گرامی ہے اور ان سے سب سے پہلے جو اس دولت کو لے کر بانٹنے لگا اس میں ڈاکٹر اقبال کی شہرت آگے نکل گئی بات دور چلی گئی میرا کہنا یہ تھا کہ ہمارے رہنما، ہم سے بے پرواہ

نہیں ہیں پھر کیا بے رحم ہے؟ توبہ! توبہ! یہ کہنا کتنا سفید جھوٹ بولنا ہے ان کی راتیں ہمارے لیے آہ میں کٹیں ان کے دن ہمارے غم میں بسر ہوئے ان کے پاس کوئی ایسی دعا نہیں جس میں ہماری یاد نہ ہو ان کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ ہماری تڑپ اس میں نہ ہو پھر یہ اندھیر نگری کیوں؟ یہ ظالموں کی غارت گری اور سنیوں کی بے کسی کیوں؟ میرے خیال میں اس کا صرف اور صرف ایک جواب ہے کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے لیکن ہمارے پاس کوئی تنظیم نہیں ہم میں کوئی رابطہ نہیں۔ ہمارا ایک رہنما اور دوسرے سے الگ ہمارا سردار طبقہ ایک دوسرے کی حد سے الگ ہے بے خبر۔ ہمیں معلوم نہیں! ہم کیا ہیں؟ کہاں ہیں؟ کتنے ہیں سندھ اہل ہند کی نگاہ میں کوئی آسمان کی آبادی ہے ہند کا دوسرا علاقہ اہل سندھ کی نگاہ میں کرۂ ارض کا دوسرا سرا ہے کتنے پنجابی ہیں کہ لکھنؤ دیکھا نہیں۔ بنارس سنا نہیں، کتنے یوپی والے ہیں کہ لاہور دیکھا نہیں، منٹگمری کو سنا نہیں آل انڈیا سنی کانفرنس کیلئے ملک کا طوفانی دورہ کرتے ہوئے جب ہم کو یہ پتہ چلا کہ ہم تو دس کروڑ مدعیانِ اسلام میں سے نو کروڑ ہیں۔ بنگال کے ایک ضلع چاٹگام اور اس کے حواشی سولہ سو علماء اہلسنت مدرسین، مبلغین، مصنفین وارباب فتاوی ہیں۔ ہمارے سارے ملک میں صرف علماء کا شمار بیس ہزار سے زائد ہمارے دفتر میں آچکا ہے تو ہم اس قدر متحیر ہوئے جس قدر ہمارے سنی بھائی ہم سے اس حقیقت کو سن کر حیران ہوئے اگر مصطفےٰ علیہ التحیۃ الثناء کے اس قدر لشکری متحد ہو جائیں اور اتنے کثیر قائدین کی جماعت مجتمع ہو جائے تو پھر کھلے ہند غیر مسلم ہوں یا مسلم نما غیر مسلم، کیا مجال کہ ہم سے کوئی ٹکر لے سکے اور کیا طاقت جو ہمارے سامنے آسکے۔ کشتی لڑنا درکنار ہاتھ ملانے کی جرأت نہیں کر سکتا ساری سازش تارِ عنکبوت ہو جائے اور ساری چیخ و پکار مکھی کی بھنبھناہٹ سے زیادہ وقیع نہ رہے۔ ہم کو جب یہ محسوس ہوا تو ملک وملت کی حالت لمحہ میں ہمارے لیے کوئی چارہ کار اس کے سوا نظر نہیں آیا کہ ہم آپ سرداروں کو ایک جگہ بٹھائیں اور خود وفاداری کا عہد کریں۔ آپ ججوں کی ایک عدالت بنائیں اور اپنی تقدیر کا فیصلہ چاہیں آپ معالجین کو ایک مقام پر بٹھا کر اپنی بیماری کا علاج کرائیں۔ اب آپ کے کریمانہ اخلاق ہیں اور ہماری قابل رحم حالت جس نے جرأت دلائی اور اللہ تعالیٰ کا ہزاروں شکر ہے کہ ہم نے مرنے سے پہلے آپ حضرات کو ایک مقام پر جمع کر دیا۔ نہ ہم میزبان۔ نہ آپ مہمان بلکہ ہم جان بلب ہیں اور آپ مسیحادم ہیں آپ ہماری کراہ سے نہ گھبرائیں آپ ہمارے بے چینی سے چین نچیں نہ ہوں ہم آپ کی خاطر کیا کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس کھلانے کو روٹی کا ایک سوکھا ٹکڑا بھی نہیں ہے ہم آپ کو کہاں ٹھہرائیں ہمارے پاس تو پھونس کا چھپر بھی نہیں اگر آپ پسند کریں تو آپ کو ٹھہرانے کیلئے ہمارے خانۂ دل کی ویرانیاں ہیں اور آپ کی خاطر کیلئے جان حاضر ہے جگر حاضر ہے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ سر حاضر ہے۔

مشائخ عظام وعلمائے کرام! ہم وہ دن دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارا ہر فرد مبلغ ہو۔ ہماری پرانی تاریخ یہی تو تھی کہ بادشاہ مبلغ، رعایا مبلغ، علماء مبلغ، عوام مبلغ، مرید مبلغ، سوداگر مبلغ، مزدور مبلغ کوئی ہے جو رسول پاک کے دست مبارک پر اسلام قبول کر کے مبلغ نہ ہوا کوئی ہے یا کوئی مثال ہے کہ صحابہ کرام سے دولت ایمان پانے کے بعد مبلغ نہ بنا ہو۔

تبلیغ تو اسلام کا اصل سرمایہ ہے تبلیغ تو اسلام کا دوسرا نام ہے یہودیت میں سازش کے سوا کیا رکھا ہے؟ نصرانیت کا منتر ۱/۳/4

والا کان کے سوا میدان میں کہنے کے قابل کب تھا؟ مشرکین کے اوہام وتخلیات میں تبلیغ کی روح کیسے آتی سب کے سب اپنے مذہب کے نام کو اپنی پرائیویٹ جائیداد کی طرح چھپائے رکھتے تھے کہ تبلیغ کا شہسوار اسلام میدان میں آ گیا اور تبلیغ کے سورج کو چمکا دیا صداقت کی روشنی کو پھیلایا۔ ہدایت کی دلوں میں تڑپ پیدا کی رشد وارشاد کا دروازہ کھولا جن وانس کو اپنے دائرہ میں لے لیا اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کو مامور فرمایا کہ: "بلغ ماانزل الیک" رسول پاک نے اپنے وفاداروں کو حکم فرمایا: "بلغوا عنی ولو بکلمة"۔

میرا جد اعلیٰ جیلان میں پیدا ہوا اور گھر چھوڑ کر بغداد چلا گیا۔ میرے ہندوستان کا بادشاہ سجز (سجز ستان) میں پیدا ہوا، ہندوستان چلا آیا اور اجمیر میں قیام فرما ہوا۔ میرا سلطان سمنان میں پیدا ہوا بادشاہ مطلق العنان بنا اور سلطانی ترک کر کے ہندوستان کچھوچھا شریف چلا آیا۔ میں غوث کی بارگاہ میں سر نیاز جھکا کر، میں خواجہ کی خواجگی کے حضور وفاداری کا حلف اُٹھا کر، میں اپنے سلطان سمنان کے سرکار میں عقیدت کا نذرانہ پیش کر کے کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ صرف اور صرف تبلیغ دین کے لئے تھا تبلیغ ہماری اور صرف ہماری دولت تھی۔ مگر آہ! کہ یہ امر اہم بے نظمی کی نذر ہو گیا۔ عیسائی مشنری ایک نظام کے تحت ہے۔ واہمہ پرست مشرکین کا منظم سنگھٹن اور شدھی کی ناپاک تحریک ہے اور اُلٹی گنگا ایسی بہہ رہی ہے کہ تبلیغ جس کا حصہ ہے اس کا نہ کوئی مرکز ہے نہ انتظام کاش ایک آل انڈیا دفتر ہو، ہر صوبہ میں اس کی شاخ ہو، ضلع میں اس کا علاقائی دفتر ہو، ہر تحصیل میں اس کا نظام ہو۔ ہر ہر قریہ میں ایک ہی طریقۂ کار ہو تو آپ دیکھیں گے کہ ملک کی مردم شماری میں غلامانِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کا اضافہ کس تیزی سے ہوتا ہے۔

حضرات! دنیا میں ایک ذہنی انقلاب ہے اور قوموں کے کان ایسے پیغام کی تلاش میں ہیں جو انسانوں کو انسانیت بخشے۔ زمین کو گہوارہ امن بنادے جہاں روح بر سر عمل ہو اور نفس کا وجود عدم کے برابر ہو اور آپ حضرات جانتے ہیں کہ یہی چیز جس کا نام پاک اسلام ہے اسی تبلیغ کی ایک ٹھوس اور اہم شاخ تعلیم دینی ہے۔ تعلیم ہی سے قومی دماغ کی تعمیر کی جاتی ہے۔ تعلیم ہی سے صحیح تدبر اور فراست کی اہلیت اُبھرتی ہے اور تعلیم ہی سے قوم کو اس کے اصلی سانچے میں ڈھالا جاتا ہے اس تعلیمی آوارگی کا نتیجہ ہے کہ قرآن وحدیث کا پیارا نام لے کر آپ کو ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو خود مسخ ہو گئے اور اسلام کو مسخ کرنے کا قصد کر لیا۔ گذشتہ ایک صدی میں جتنے فتنے اور فرقوں نے برطانوی سایہ میں جنم لیا وہ سب دینی تعلیمی خامی کی ماتمی یادگار ہیں۔ عقل کی سلامتی صحیح تعلیم سے ملتی ہے ورنہ عقل ایسی ماری جاتی ہے کہ آپ اس جنونی طبقہ سے آگاہ ہیں جو پیغمبر کی توہین کو اسلام کی تعلیمات میں شامل کرتا ہے اس جنون کی کوئی حد ہے کہ شارع کی عظمت کو اس کی شرع سے گھٹانے کی کوشش کی جائے۔ سارے ملک کو تجربہ ہو چکا ہے کہ آوارہ تعلیم گاہوں کے طلبہ نے قبلہ کی طرف سے کس طرح منہ پھیر لیا اور اپنی توجہات کعبہ کو راشٹر باپو کی طرف پھیر لیا مدرسین نے مکہ چھوڑا، اور وہاں کان لگا کر سننے والے سن لیں! کہ صدر المدرسین نے مدینہ چھوڑا اور بالکل چھوڑا، دشمنانِ حرمین نے رشتہ جوڑا اب قرآن شریف اس لیے پڑھایا جاتا ہے کہ مسلمانوں سے کوئی تعلق نہ رہے۔ حدیث شریف میں ان کو یہی نظر آتا ہے کہ غیروں کے ہاتھ بکنا ہی اسلام ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون٥

ایسی غیر ذمہ دارانہ تعلیم سے جہالت ہزار درجہ بہتر ہے کیسی ناپاک تعلیم ہے جو پاکستان کے تصور سے لرز اُٹھے اور پاکستان میں

جس کو اپنی زندگی محال نظر آئے اسلامی تلوار کی آزادی میں اپنی موت معلوم ہو۔ کیا سنیوں کی سنیت اور مسلمانوں کی اسلامی غیرت اب اس قومی و دینی جرم کو برداشت کر سکتی ہے کہ ایسی درسگاہ کو مدد دے کر اس کو زندہ رکھا جائے ہرگز نہیں!

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ملک میں صحیح تعلیم کے اداروں کی بڑی تعداد ہے ہر ہر صوبہ میں کامل النصاب مدارس بکثرت موجود ہیں اور ماشاء اللہ خوب کام کر رہے ہیں صدہا علماء سالانہ ان سے فیضیاب ہو کر ہدایت وارشاد خلق کی خدمتیں انجام دیتے ہیں درس، افتاء، وعظ مناظرہ تبلیغ دین کی مساعی میں مصروف ہیں۔ یہ جماعتیں نہ ہوتیں اور یہ مدارس سرگرم عمل نہ ہوتے تو اس وقت بے دینی اور بھی ترقی کرتی۔ دین کے جاننے والے میسر نہ آتے اور اسلامی اعمال سے دنیا ناواقف ہو جاتی۔ مگر باوجود اس کثرت کے قابل افسوس اور لائق رنج یہ ہے کہ ان علمی دینی درس گاہوں میں کوئی نظم وارتباط نہیں ایک کو دوسرے کی خبر نہیں معیار تعلیم میں ایک ضابطہ نہیں، نصاب میں یکسانیت نہیں، طریقۂ تعلیم میں توافق نہیں کاش! ایک مرکز سے سب وابستہ ہوں، مرکز کی نگرانی میں ہر صوبہ میں دفتر ہو ہر ضلع کا ایک تعلیمی انسپکٹر ہو، ہر جگہ ایک نصاب ہو، ایک ہی پرچہ کے سوالات کا جواب ہر مدرسہ کا طالبعلم دے، ضلع کا مدرسہ تحصیلوں میں شاخیں کھولے اور تعلیم کو اس طرح گاؤں گاؤں پھیلا دیا جائے کہ آنے والی نسل کا کوئی بچہ جاہل علم دین کے بغیر نہ رہے کیونکہ ہر مسلمان کو مسلمان ہوتے ہی صبح وشام ہر ہر منٹ ایک اصولی انسان کی طرح ہونا ہے۔ برکت تعلیم سے ہر آن، ہر اسلامی آن بن جائے تو پھر اس آن کی وہ شان جس کو ہم پاکستان کہیں گے۔

دینی تعلیم کی وسعت میں انگریزی دانوں کو لیا جائے۔ ان کو سہولت بہم پہنچائی جائے، آئمہ مساجد کا ایک نصاب ہو اور کوئی امام بے سند نہ رہے۔ بڈھوں اور بالغوں کیلئے شبینہ مکتب کھولے جائیں، آسان زبان میں دینی تعلیم تصنیف ہوں اور ہر تصنیف پر جمہوریہ اسلامیہ کی نگرانی ہو اور سنی وہی کتاب پڑھے جس پر جمہوریہ اسلامیہ کی تصدیق ہو، علوم جدیدہ کو عربی اردو زبان کے ساتھ لایا جائے۔ علما اس سے واقف کئے جائیں۔ سیاسیات، اقتصادیات، تاریخ، ریاضی وغیرہ کا مستقل کورس ہو، سنی لائبریری ہو، سنی مدرسہ، سنی کالج، سنی یونیورسٹی دین ودنیا کی تعلیم کی حامل بن جائے اور اس سے ایسے دماغ پیدا کئے جائیں۔ جو صدق وصفاء، عدل و وفاء، شرم وحیاء، جود وسخا، دشمنوں سے جدا، اپنوں پر فدا ہونے میں سبقت کا جذبہ رکھتے ہوں، جن کا جینا مرنا اللہ کیلئے ہو تو پھر آپ یقین رکھیں کہ خلیج بنگال اور بحیرۂ ہند کی درمیانی خشکی میں پاکستان ہی پاکستان نظر آئے جو قوم علم میں عمل میں، اخلاق میں پاک ہو جاتی ہے وہ جہاں قدم رکھ دیتی ہے اس کا نام پاکستان ہو جاتا ہے۔

حضرات! آپ پر روشن ہے کہ سنیوں کی ساری کمزوریاں اسی صحیح تعلیم کی کمی کا نتیجہ ہیں۔ علم درست طور پر حاصل ہو جائے تو خود معلوم ہو جائے گا کہ دوسرے مذہب کی طرح اسلام نہیں ہے کہ کچھ عقائد، کچھ خیالات اوہام پر اکتفاء کر کے اس کا نام دین رکھ دیا جائے اسلام تو خود حقائق کے اعتراف کے ساتھ اپنے پیرو کو میدان عمل میں لاکھڑا کرتا ہے، عقیدۂ توحید سے لے کر معاد کی تمام تفصیلات اس لیے منواتا ہے کہ جو کچھ مانا ہے اس کو کر کے دکھاؤ اسلام انسان کو عملی انسان بناتا ہے دینداری کی سند جس کردار پر ہے صاحب تخت وتاج

ہو یا مسکین ومحتاج سب کیلئے اسلام نے مکمل پروگرام بنادیا ہے۔ یہ اسلام کا وسیع روحانی نظام ہے۔جس نے خدا کی پرستش کو رکوع وسجود میں محدود نہیں کیا اور نہ مسجد ہی کو اس کیلئے خاص کیا بلکہ اسلام سونے جاگنے، چلنے پھرنے، جم کر بیٹھنے کو، کھانے پینے کو اہل وعیال کی نگرانی کو، بال بچوں کی پرورش کو، صنعت وحرفت، کاروبار تجارت کو، مزدوری کو محنت کو، خلق خدا کی خدمت کو، بزم کو، رزم کو، سب کو عبادت بناتا ہے اسلام نے بتایا ہے کہ عبادت بازاروں میں بھی ہوتی ہے اور کارزاروں میں بھی، ارکان صوم وصلوٰۃ حج وزکوۃ سے بھی ہوتی ہے، قلم کی رفتار، تلوار کی جھنکار سے بھی ہوتی ہے، ڈنڈوں ڈھیلوں اور کشتی کے اکھاڑوں میں بھی ہوتی ہے ایک مسلمان اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں خدا کو پوجتا ہے پھر اسلام نے قبائل کے خون کے ساتھ ساتھ انسانی برداری کا پیغام بھی دیا ہے اور مفروضہ تفاوت مدارج کو مٹا کر "ان اکرمکم عبداللہ اتقکم" فرما کر برتری کا مدار عمل صالح پر رکھ دیا ہے اسلام کے پروگرام کا دنیا کو تجربہ ہو چکا ہے ساری دنیا نے دیکھا کہ اُمیوں کو استاد زمانہ بنانے والا، غیر متمدن کو متمدن بنانے والا، بکری چرانے والوں کو، اونٹ کے گلہ بانوں کو تخت وتاج کا مالک بنادینے والا، بے امنوں کے گہوارہ کو دارالامان کردینے والا، اسلام اور صرف اسلام ہے۔ مگر آہ! جہالت وبے خبری کے نتائج خطرناک نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ بے عملی ملت پر چھا گئی ہے۔ مسجدیں ویران ہیں ان کے امام بیشتر بے سند ہیں اسلامی کلچر پر تمسخر یا تہذیت کی لعنت لائی جاتی ہے۔ خانقاہوں کا صحیح استعمال ختم ہو رہا ہے ہر ایک نیا لائحہ عمل اپنے جی اور اپنے مطلب کے مطابق بنا رہا ہے قانون ساز کونسلوں کی بلا جب سے ملک میں آئی ہے تو ان ناداروں کو دیکھ کر جن کے پاس کوئی حتمی قانون نہیں ہے اور وہ اپنی سوسائٹی کے لیے قانون سازی پر مجبور ہیں اب مسلم نشستوں پر پہنچنے والے بھی قانون سازی کے مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ہر قوم کا قانون ساز جب قانون بناتا ہے تو وہ گویا اعلان کرتا ہے کہ اس کے پاس کوئی قانون نہیں تو وہ گویا کہلانے والا۔ مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والا قانون سازی کر کے اسلام کو غیر مکمل قرار دینے کا حق رکھتا ہے؟ ہرگز نہیں! پھر من گڑھت ضلع بل کیا ہے؟ یہ شاردہ ایکٹ میں قوم مسلم کا شمول کون سی لعنت ہے؟ اور جہالت کا یہ مہلک اثر ہے کہ بے خبر ہیں اور باخبر سمجھتے ہیں علم دین میں ایک ان پڑھ سے بدتر ہیں اور علمائے دین کے منہ آتے ہیں۔ برطانوی فتھ لست کا عادی اسلامی فقہ کی بلندیوں تک کیسے پہنچے؟ کمزور انسان نے بنائے کمزور قانون جو روز بنتا بگڑتا ہے پیشہ ورانہ اُلجھاؤ دماغ کو امت اور قانون الٰہی تک باریاب نہیں کرتا۔ اس کام کو مرکزی دار التصنیف ہاتھ میں لے۔ نکاح وطلاق، وراثت اور سارے معاملات میں اسلامی نظام کو قانون بنادیا جائے۔ غیر مشروع قوانین کو ختم کردیا جائے۔ مسلمانوں کے قضایا کیلئے "دار القضا" کو حکومت سے منوایا جائے اور قانون سازی کے چکرے کو مٹا کر قانون اسلامی کی تنقید ہی مسلم نشستوں پر پہنچنے والے کا کام رہ جائے خانقاہوں کو نشر علم کا درجہ بنایا جائے۔ میلاد کی محفلوں کو بزم تبلیغ بنادیا جائے اعراس بزرگان میں سنی کانفرنس کی روح ڈالی جائے۔ مسلمانوں کی صورت کو مسلمان بنایا جائے اور مسلمانوں کی صحت کو معیاری طور پر قائم کیا جائے اور بتادیا جائے کہ ہر مسلمان اپنی قوم کا سرمایہ ہے۔ جس کی ذمہ داری خود اس مسلمان پر ہے ہمارے کالج کے بچوں کو دیکھو تو منہ پر خون کا چھینٹا تک نہیں بھرے بھرے بازوؤں اونچے اونچے سینے والی قوم بیمار ہو جائے۔ کراہنے لگے، زنانہ روپ بھرنے لگے تو کتنی بڑی شرم کی بات ہے۔

حضرات! وقت آ گیا ہے کہ خلافت راشدہ کے عہد کو پلٹایا جائے اور سارے نظام شریعت کو دنیا کا نصب العین بنادیا جائے۔ یہ کام بہت زیادہ سرمایہ نہیں مانگتا اپنا پریس، اپنا پلیٹ فارم اور اپنا ہر کام ایسا ہے کہ غریب سنّیوں کی برائے نام کمائی بھی اس کیلئے کافی ہے سنّیوں کے پاس اوقات اس قدر ہیں کہ جن کو درست کر کے برطانوی اُصولوں پر نہیں بلکہ اسلامی اصولوں پر خرچ کیا جائے تو ایک سلطنت کا نظام چل سکتا ہے ورنہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ دینی تعلیم کے نام پر وقف ہے اور الحادی علم پر خرچ ہو رہا ہے۔ مسجد کیلئے وقف ہے اور سنّی وقف بورڈ پر دفتر نظام پر خرچ ہو رہا ہے۔ اگر اوقاف کی آمد و خرچ پر کنٹرول کرلیا جائے تو بجٹ میں کبھی کمی نہیں آ سکتی۔

حضرات! ہم کو مدارس اور خانقاہوں کے ساتھ اکھاڑوں کی شدید حاجت ہے ہمارے پہلے بزرگوں نے اکھاڑوں کو جوانوں کی عبادت گاہ فرمادیا ہے۔ جسمانی صحت و تندرستی کیلئے تو بہت ضروری چیز ہے یہ چیز کبھی صرف مسلمانون کی تھی خواصی، تیراکی، شہسواری اور لکڑ چلانا داؤں سیکھنا (آج کل کے جوڈو کراٹے)، ہمارا مشغلہ تھا جس میں ہمارا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ہماری تندرستی ضرب المثل بن گئی تھی۔ ہمارے جوان کو ضیغم نر اور صف شکن کہا جاتا تھا مگر آج تندرستی کھودینے سے بزدلی تن آسانی، کاہلی چہروں کی بے رونقی اور پھر لازمی طور پر بے کاری اور ناداری آ گئی ہے تعلیم کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اکھاڑا ایک مستقل ادارہ ہے۔ جس کو زیادہ سے زیادہ ملک میں پھیلایا جائے اور ایک نظام میں ''بنیان مرصوص'' کی طرح قومی حفاظت کا قلعہ بنانا ہے ورنہ کمزور افراد کی نسل اور بھی کمزور ہوگی۔ کمزوری وہ بلا ہے جس کے بعد چاروں طرف سے بلائیں آنے لگتی ہیں۔ بے کاری قرضدار بناتی ہے معاش کے دروازہ کو بند کردیتی ہے اور آخر میں روٹی کیلئے ضمیر فروشی، ملت فروشی، پیسوں کے لئے قوم سے غداری دین کا باغی ہوجاتا ہے۔ جس کو ہم دیکھ رہے ہیں، کہتے ہیں کہ محتاجی جرائم کی ماں ہے اور میں کہتا ہوں کہ تندرسی نہ ہونا محتاجی کا باپ ہے اور جب ماں باپ دونوں مجتمع ہوجاتے ہیں تو بے پناہ بلاؤں کی نسل جمع ہوجاتی ہے۔

اے صد ہزار احترام وعظمت کے پیکر بزرگو! کام بہت ہے۔ بیماریاں حد سے زیادہ ہیں۔ کمزوریاں بے انتہاء ہیں اور آپ کو ہمارے لیے بہت دکھ اُٹھانے ہیں آپ تبلیغی نظام سے بسم اللہ کریں۔ مبلغین پیدا کریں اور میدان تبلیغ میں بھیج دیں اور ایک سال کے اندر پورے ملک کے سنّیوں کی مردم شماری کرلیں۔ اس رجسٹر کا خاکہ ایسا ہو کہ ہر سنّی کا نام مع ولدیت، پیشہ، مکمل پتہ، مالی حالت، قرض دار، مقدار قرض تعلیمی حالت، قرض کی ادائیگی، طریق زمینداری تھانہ تحصیل، ضلع حکومت کی مقامی پالیسی مدرسہ ہے یا نہیں اس طرح اندراج کر کے دفتر میں رکھا جائے ار دفتر میں اندراجات دیکھ کر وہاں کا سنّی نگاہوں میں آ جائیگا۔ اسی دوران تمام مدارس اہلسنّت کی تعداد، نصاب تعلیم، ذرائع آمدنی، کیفیت مصارف بھی درج ہوں تو بعونہ تعالیٰ وبعونہ حبیبہ ﷺ قوم خود بخود اُبھرنے لگے گی اور نظام و اجتماع کی روح تیزی سے ملت میں دوڑے گی اور دوسری قومیں جو پچاس برس میں نہ کرسکیں وہ مہینوں میں آپ کریں گے یہ تو بیمار کو تندرست کرنا ہے آپ حضرات نے تو مردوں کو جلایا ہے۔ اپنے اولیاء کی کرامات حق پر ہونے پر آپ کا ایمان ہے۔ اپنے علماء کے منصب نیابت رسول ہونے پر ہمارا اطمینان ہے جو تاخیر تھی وہ آپ کے یکجا ہونے کی تھی۔ وہ بھی بفضل تعالیٰ میسر آئی۔ اب ہماری

شفایابی یقینی ہے۔ ہماری کامیابی نظر آرہی ہے۔ اب ہم زندگی کی آس لگانے میں حق بجانب ہیں۔ اب آپ کی پاک نگاہیں پاک تدبیریں پاک تعلیمات ہم کو پاکستان عطاء کردیں گی۔

میرے دینی رہنماؤ! میں نے عرض داشت میں ابھی ابھی پاکستان کا لفظ استعمال کیا ہے اور پہلے بھی کئی جگہ۔ پاکستان کا لفظ آچکا ہے ملک میں اس لفظ کا استعمال روزمرہ کا ورد بن گیا ہے۔ درودیوار پر "پاکستان زندہ باد تجاویز کی زبان میں" پاکستان ہمارا حق ہے نعروں کی گونج میں پاکستان لے کر رہیں گے" مسجدوں میں خانقاہوں میں بازاروں میں ویرانوں میں لفظ پاکستان لہرا رہا ہے۔ اس لفظ کو پنجاب کا یونینسٹ لیڈر بھی استعمال کرتا ہے اور ملک بھر میں ہر لیگی بھی بولتا ہے اور ہم سنیوں کا بھی یہی محاورہ ہوگیا ہے اور جو لفظ مختلف ذہنیتوں کے استعمال میں ہو۔ اس کے معنی مشکوک ہوجاتے ہیں۔ جب تک بولنے والا اس کو واضح طور پر نہ بتادے۔ یونیسٹ کا پاکستان وہ ہوگا جس کی مشنری سردار جوگندر سنگھ کے ہاتھ میں ہوگی۔ لیگ کے پاکستان کے متعلق دوسری قومیں چیختی ہیں کہ اب تک اس نے پاکستان کے معنی نہیں بتائے اور جو بتائے وہ اُلٹے پلٹے ایک دوسرے سے متضاد بتائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو لیگ کا ہائی کمانڈ اس کا ذمہ دار ہے۔ لیکن جن سنیوں نے لیگ کے اس پیغام کو قبول کیا ہے اور جس یقین پر اس مسئلہ میں لیگ کی تائید کرتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ پر اسلام کی قرآن کی آزاد حکومت ہو جس میں غیر مسلم ذمیوں کی جان ومال عزت وآبرو کو حسب حکم شرع امان دی جائے۔ ان کو ان کے معاملات کو ان کے دین پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ جانیں ان کا دھرم جانے ان کو اتمو الیھم عھدھم سنادیا جائے اور بجائے جنگ وجدال کے امن وامان کا حکم سنادیا جائے۔ ہر انسان اپنے پُرامن ہونے پر مطمئن ہوجائے۔ اگر سنیوں کی اس سمجھی ہوئی تعریف کے سوا لیگ نے کوئی دوسرا رستہ اختیار کیا تو کوئی سنی قبول نہیں کرے گا۔ ان سنیوں نے نہ دستور پڑھا ہے نہ تجاویز پڑھی ہیں نہ اخبارات کے ہفواتی ایڈیٹوریل دیکھے ہیں نہ غیر ذمہ داروں کے لیکچر سنے ہیں۔ وہ صرف اتنا سمجھ کر کہ قرآنی حکومت اسلامی اقتدار لیگ کا مقصد ہے اس کے ساتھ ہوگئے ہیں اور ان کو چھوڑ کر لیگ باقی ہی نہیں رہتی۔ اس کے دستور اساسی کا کیا سوال ہے اب تو تمام سنیوں نے جو یقین کرلیا ہے وہی دستور اساسی بھی ہے وہی تجاویز متفقہ بھی ہیں لیگ ان کیلئے کوئی نیا دین نہیں ہے۔ جس کو سوچ سمجھ کر ٹھونک بجا کر قبول کیا جائے بلکہ لیگ محض ان کے جذبات کی ترجمانی ہے۔ جس کو ہر وہ معترض سے زیادہ خود سمجھ رہے ہیں خیر یہ تو لیگی زبان میں پاکستان کی بحث تھی۔ لیکن آل انڈیا سنی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی آزاد خود مختار حکومت ہے۔ جس میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں بلکہ اسلام کی حکومت ہو۔ جس کو مختصر طور پر یوں کہیے کہ خلافِ راشدہ کا نمونہ ہو۔ ہماری آرزو ہے کہ اس وقت ساری زمین پاکستان ہوجائے لیکن اگر عالم اسباب میں رفتہ رفتہ درجہ بہ درجہ حصہ بحصہ تھوڑا تھوڑا کر کے پاکستان بنتا جائے تو اس کو بنایا جائے۔ کسی حصہ زمین کو پاکستان بنانا کسی دوسرے حصہ کے ناپاک رہنے پر رضامندی نہیں ہے بلکہ عالم اسباب میں حکمت تدریج ہے۔ ہندوستان تک صحابہ نہ پہنچے تو وہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ یہاں کی کفریات وشرکیات پر راضی تھے بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ الامور مرھونہ باوقاتھا صلح حدیبیہ کا یہ ترجمہ کسی جانور نے بھی نہیں کیا کہ اس میں مکہ کے کفر وکفار سے رضامندی پائی جاتی ہے بلکہ عالم

اسلامی کو صاف نظر آنے لگا کہ مکہ جلد پاکستان ہونے والا ہے۔ معاہدہ اور صلح نامے و اعد الھم ما استطعتم کی تعمیل میں ہوتے ہیں اور بعد استطاعت خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

آل انڈیا سنی کانفرنس کے پاکستان کے خلاف زبان کھولنے اور قلم چلانے سے پہلے خوب سوچ لیا جائے کہ داور حشر کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں گے پاکستان میں اس مجرم کو نہ بخشا جائے گا جو کلمہ پڑھ کر اپنے کو سنی کہہ کر اسلامی اقتدار کے تصور سے چڑتا ہوگا۔

ہاں یہ عرض کرنا رہ گیا کہ حال میں وزارتی مشن کے سامنے سنا جاتا ہے کہ ڈاکٹر خان بھی پاکستان کا نعرہ لگا کر گیا ہے لیکن یہ پاکستان ایسا ہے جس کو سن کر بڑے سے بڑا دشمن بھی ناراض نہ ہوگا کیا عجیب ہے کہ ۴۵ گز کے پاجامے پہننے والے کیلئے لنگوٹیہ پاکستان بنایا منظور ہو ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ٥

حضرات! سطور بالا میں مسلم لیگ کا نام آ گیا اور اس طرح آیا ہے کہ وہ سنی کانفرنس کے بالکل جداگانہ ایک نظام ہے۔ یہی حقیقت بھی ہے۔ مسلم لیگ کا پروگرام عارضی جو صرف پاکستان پر ختم ہو جاتا ہے اور آل انڈیا سنی کانفرنس کا پروگرام دوامی ہے۔ پاکستان کی تعمیر اور مسلم لیگ کو سنی مسجدوں سنی اماموں سنی خانقاہوں، سنی مدرسوں، عرسوں، میلادوں مذہبی تصنیف گاہوں سے کوئی سروکار نہیں اور نہ صرف سنیوں کے نام پر کام کرتی ہے۔ پاکستان کا حق ملا تو مسلم لیگ کو نہیں بلکہ برطانوی مسلمانوں کو ملے گا اور ان میں غالب اکثریت محمدی مسلمانوں یعنی سنیوں کی ہے تو پاکستان کا حق سنیوں کو ملے گا۔ سنی کیسا پاکستان بنائیں گے اس میں کسی بحث کی گنجائش نہیں۔ عہد صدیق کو دیکھ لیا جائے دور فاروقی کو سیر کر لی جائے۔ عثمانی عہد کو نظر میں لایا جائے۔ خلافت علویہ کا دیدار کر لیا جائے اسی قسم کا پاکستان بنائیں گے۔ سنیوں کو زندہ رہنے کا۔ اپنے دین کی حفاظت کرنے کا۔ اپنے مستقبل سنوارنے کا اپنی قوم کو ہلاکت سے بچانے کا اپنی مسجدوں کو آراستہ کرنے کا، اپنی خانقاہوں کو سجانے کا اپنے اداروں کو درست کرنے کا حق دوسری قوموں کی طرح ہے اور ضرور ہے تو پھر تنظیم سے زیادہ ضروری سنیوں کیلئے آل انڈیا سنی کانفرنس ہے یہ ہم نے مانا کہ انگریز اب ہندوستان پر حکومت کرنے سے تھک گیا ہے اور اب منافع کے سوا خطروں سے الگ رہنا چاہتا ہے اور وہ کونسلی حکومت ہندوستان کو دے ڈالنا ہی چاہتا ہے اور مانا کہ یہ دیکھ کر ہندو اکثریت کے منہ میں پانی بھر آیا ہے اور وہ بلاشریک غیرے اس حق کو حاصل کرنا چاہتی ہے اور مانا کہ اس کا جواب یہی رہ گیا ہے کہ قانون جس کو مسلمان کہہ دے اس کو یکجا کر کے کثرت کے رام راج والے خواب کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا جائے اور مانا کہ مسلم لیگ اسی پوزیشن میں ہے اور یہ بھی بالفرض مانا کہ مسلم لیگ کے سوا عہد حاضر کی چالبازیوں اور دھاندلیوں کا کوئی جواب نہیں۔ لیکن پھر بھی سنی مسلمانوں کو اپنی ملی تنظیم کی آج اسی قدر ضرورت ہے جس قدر پہلے تھی ہم سے مسلم لیگ کو اسی کی امید رکھنی چاہئے کہ اس کا جو قدم سنیوں کے سمجھے ہوئے پاکستان کے حق میں ہوگا اور اس کے جس پیغام میں اسلام و مسلمین کا نفع ہوگا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کی تائید اسی کو بے دریغ حاصل ہوگی اور دینی اُمور ہاتھ لگانے سے پہلے آل انڈیا سنی کانفرنس کی رہنمائی اس کو قبول کرنا ضروری ہوگا۔

اگر ہماری حق گوئی اگر کسی کے نزدیک جرم ہے اور کسی لیگی کے نزدیک یہ ہماری لیگ دشمنی ہے تو ہمیں ڈیفنس میں ایک لفظ نہیں

کہنا اور اگر لیگ کے دشمنوں کے نزدیک یہ ہمارا لیگی ہو جانا تو ہم اس خوش فہمی کو بھی قابل مضحکہ سمجھتے ہیں۔

دنیا کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جس طبقہ نے عالمگیر و جہانگیر کی تلواروں پر حکومت کی، عباسیوں کی جلالت پر اپنے اقتدار کا پرچم لہرایا، یعنی علمائے حق وہ نہ کسی سے زور کسی مغرور کے دبائے سے دبتے ہیں اور نہ کسی وہمی شکی سے اُلجھتے ہیں نہ کسی بدزبان لاگ کر پرکاہ برابر سمجھتے ہیں وہ صرف اپنے خدا سے ڈرتے ہیں، حق گو ہیں، حق پرست ہیں اور صرف حق کا اقتدار چاہتے ہیں۔

اے ہمارے شفاء بخشنے والے حکمائے اسلام! ہم نے اپنی بیماریاں بیان کردیں اور بیماریوں نے اس قدر نڈھال کردیا ہے کہ ہم تھک گئے ہیں اور بیمار کا بہت کچھ بیان رہ گیا۔ آپ کی انگلیاں ہماری نبض پر ہیں۔ آپ کی حذاقت نے ہم کو بھانپ لیا ہے۔ جو ہم نے کہا وہ بھی اور جو نہیں کہا وہ بھی! آپ کی فراست کے سامنے ہے للہ! ہمارا علاج کیجئے اپنے رسول پاک کا صدقہ ہماری امداد کیجئے! غوث پاک کے نام کی بھیک دیجئے خواجہ کے طفیل خبر لیجئے نقشبندی کی سرکار کا صدقہ دیجئے۔

ہائے ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ آپ سے رسمی طور پر بھی کہہ سکیں کہ ہماری خادمانہ فروگزاشتوں کو معاف کیجئے یہ وہ کہئے جو کچھ تو خدمت کرے، ہم نے تو آپ کو اس شرط پر زحمت دی کہ اپنا راشن اپنے ساتھ لائیں ہم ایک نوالہ بھی نہیں دے سکتے ایک مرتبہ سنّی کانفرنس میدانِ کربلا میں قائم ہوئی تھی کہ نہر فرات آج تک شرم سے پانی پانی ہے آج بنارس کی گنگا کا یہی حال ہے کہ ہمیشہ آب آب رہے۔ ہم شرم کے مارے اپنے سر کو جھکائے ہوئے آپ کی وفاداری کا عہد کرتے ہوئے آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں اور ہماری یہی خاموشی آپ کے کریمانہ اخلاق کا اعتراف اور اپنی مجبوریوں پر رحم کی بہ ہزار ادب درخواست ہے۔

محدث اعظم ہند اجمیر شریف میں

خطبہ اشرفیہ (آل انڈیا کانفرنس۔ منعقدہ ۷، ۸/ جون ۴۶ء)

الحمد الله الذى من علينا اذا بعث فينا رسولا و جمعنا على كلمة و احدة و كعبة و احدة و قرآن و احد و دين و احد و جعل لنا سعيا مشكورا و عملا مقبولا و الصلوة و السلام على من هو حبل الله المتين و العروة الوثقىٰ باليقين و هوا الذى الف بين قلوبنا اذ كنا اعداء فاصبحنا بنعمة اخوانا و بالله مؤمنين و علىٰ واله و اصحابه و ازواجه الطيبين الطاهرين و علىٰ الائمة المجتهدين و علماء اُمته و اولياء ملته و شهداء محبتهٖ و جميع المتمسكين بسنة المعتصمين و علينا معهم و بهم و لهم ......

امابعد !

مشائخ کرام، علمائے اعلام برادران اسلام اللہ اللہ کیسی مبارک گھڑی اور کیسا مقدس مقام، اور کس قدر بلند مقصد آج اور اس وقت میسر ہے کہ اگر اس ساعت حیات کی برکتیں تمام زندگی کے لحات کو تقسیم کردی جائیں، تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم سب کا بیڑا پار ہو جائے۔ یہ شاہجہانی مسجد ہے، جس کی بنیاد سے لے کر چوٹی تک جدھر نظر کیجئے تو اس عقیدتمندی کی صاف شفاف وسفید جھلک موجود ہے۔ جو ہمارے تخت وتاج والے حکمرانوں کو دلق وگلیم والے فرمانرواؤں سے تھی۔ لال قلعہ دہلی کے تخت طاؤس پر جو سر سب سے اونچا نظر آتا تھا وہ سب سے زیادہ جھکنے والا اور جھکانے والا خاک پاک اجمیر میں دکھائی پڑتا تھا، سلطان السلاطین وشہنشاہ کا لقب خواجہ خواجگاں کی جاروب کشی نے بخشا تھا۔ خزانہ عامرہ والے لعل وجواہر گدڑی والوں سے مانگ لے جاتے تھے۔ نبرد آزماؤں کی تلواریں گوشہ نشینوں کی چوکھٹ پر تیز کی جاتی تھیں، کلغی والوں کی کلغیاں ننگے تلوے والوں کے تلوے چوما کرتی تھیں۔ آنکھ والوں کیلئے سرمۂ سعادت بصیرت والوں کی خاک پا ہوتی تھی۔ تدبیر والوں کی تقدیریں، دعا والوں کی دعاؤں سے سنواری جاتی تھیں۔ جاں بازوں اور خطرات کے توپوں کے دہانے پر سینہ رکھ دینے والوں کی زرہیں نصرٌ من الله و فتح قريب پڑھ کر مژدۂ نصرت وفتح دینے والی بشارتوں سے بنتی تھیں۔ عزم والوں کو آہنی عزائم، ذکر حدادی والے عطاء فرماتے تھے۔ سرکوبیوں کے طریقے ذکر والوں سے سیکھے جاتے تھے۔ پیترے والوں کے پیترے نظر بر قدم اور قدم بر نظروں والوں کے کنٹرول میں تھے۔

ہوشیاری و باخبری کی تعلیم، پاس انفاس والوں کے سپرد تھی۔ ہمت و استقلال کی بھیک دل والوں سے مانگی جاتی تھی۔ عواقب و نتائج کی باگ، ارباب کشف و شہود کے ہاتھوں میں رہتی تھی۔ جہانگیری تزک اور عالمگیری تہور کا دارومدار بوریانشینوں پر تھا۔ اکبری آئین، آئین ربانی والوں کی دربانی کرتے تھے اور شاہجہانی حوصلہ کی تعمیر، شاہ گر درویشوں کے ہاتھ میں تھی۔ مرہٹہ کے رسوائے سے عالم ڈاکو کے سَر کرنے والے ہاتھ میں خرقہ پوشوں کا دامن رات دن رہتا، فقیروں کی خانقاہوں میں راعی اور عایا ایک ہی پوزیشن رکھتے تھے۔ اخوت و مساوات حریت و مودّت کا آخری فیصلہ مرشد برحق کا ارشادِ حق تھا۔ آنکھوں میں دیکھنے کی صلاحیت تھی کانوں میں سننے کی اہلیت تھی، گداؤں کو شاہوں کی معرفت تھی۔ محتاجوں نے حاجت روائی کے دروازوں کو پہچان لیا تھا۔ شیر و شیر کی تجنیس خطی سے دھوکہ نہیں ہوتا تھا اولیاء کی ہمسری کا خواب بھی جرم عظیم تھا، دہلی و اجمیر کی درمیانی دراز مسافت اور راجپوتانہ کی سنگلاخ زمین اور پُر پیچ پہاڑیاں بھی حقیقت کو پردہ میں چھپا نہیں سکتی تھیں، اور دہلی کا قطب الاقطاب، جہاں سے اپنے بخت کی یاوری اور عالم غیب کے روحانی ''کاک'' حاصل کر چکا تھا، وہیں سے مغل تاجداری، اپنی حکمرانیوں اور جہاں بانیوں کی سند پاتی تھی۔ اس شاہجہانی مسجد کے سنگ مرمر سے پوچھو کہ شاہجہان نے کس طرح مرمر کر یہ سعادت حاصل کی اس کی اس تعمیر پر شبانہ روز سلطان الاولیاء کی نظر ہے، جس کی بدولت انگنت عارفوں نے معبود برحق کے یہاں تعبدی سجدے کیے اور بے شمار ملائکہ کی یہ ہر وقت گزرگاہ ہے۔ انچ انچ پر یادِ الٰہی کی یادگاریں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مقام کے تقدیس کے خیال کر کے یہاں پاؤں رکھتے ہوئے کلیجہ تھراتا ہے اور سر کے بل چلنے کو دل تڑپتا رہتا ہے۔ یہ تو خانۂ خدا اور سجدہ گاہ اولیاء کا حال ہے اور وہ سامنے سلطان السلاطین کا دربار اور خواجۂ خواجگان کی سرکار ہے، آفتاب ولایت کی ضیاء باریاں ہیں او ماہتاب کرامت کی نور پاشیاں ہیں، فیض و کرم کا چشمہ اُبل پڑتا ہے اور غریب نوازیوں کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ قدو سیانِ چرخ اگر آنکھوں سے اوجھل ہیں تو سرستان زمین ہی کا میلہ دیکھ لیجئے۔ سبحان اللہ کیسی شمع ولایت ہے کہ دنیا پروانہ وار فدا ہو رہی ہے۔ کیسا مالک تخت و تاج ہے کہ ایک زمانہ جس کا محتاج ہے، جس کو ہم امیر کہتے ہیں، وہ یہاں کا فقیر ہے اور جس کو ہم فقیر جانتے تھے وہ یہیں کا دامن گیر ہے۔ سلطانوں کا سلطان، بادشاہوں کا بادشاہ۔ غریب نوازوں کا غریب نواز، خواجوں کا خواجہ، ساقیوں کا ساقی، یاروں کا یار، پیوں کا پیا، محبوبوں کا محبوب۔ دیکھئے دیکھئے! سنہری کلس ہے کہ نور کا تڑکا قبہ بیضاء ہے کہ نور ظہور کا تڑکا ہے۔ تجلّیوں کے خواجہ تیری ایسی تجلیاں۔ اے قدرت نمائیوں کے داتا، تیری یہ کارفرمائیاں۔ آنکھوں میں چکا چوند ہے، دل سرشار ہے، دماغ خدا جانے کہاں پہنچا ہوا ہے، آسمان کا تارا تارا، چمنستان دہر کا پتہ پتہ، زمین کا ذرہ ذرہ، حاضرین کا ہر چھوٹا بڑا۔ میری روح کی گہرائیوں کا گوشہ گوشہ۔ میرے جسم کا رونگٹا رونگٹا کس مزے میں زبان حال سے گویا ہے کہ ؎

معینا دستگیرا پادشاہ مرشد خواجہ
طفیل رحمتہ اللعالمین چشم کرم برما

آج رجب شریف کی چھٹی شب ہے، ہندوستان بھر میں چشتی عید ہے، یارِ حقیقی سے وصالِ خواجہ کی تاریخ ہے، عرس شریف کا دن ہے، خواجہ بزرگ کی یادگار ہے، قرآنِ کریم کی زبان میں ایام اللہ میں سے ایک ممتاز یوم ہے، وحی الٰہی کی شہادت ہے کہ خاصانِ حق و مقبولانِ درگاہ مطلق کا یومِ ولادت و یومِ وصال و یومِ حشر، تعیین تاریخ کے ساتھ لائی ہوئی سلامتیوں اور رحمتوں کی بارش لایا کرتے ہیں۔ بگڑیاں بنادی جاتی ہیں، بیمار صحت پاتے ہیں، اسیرانِ نفس و معصیت کو رہائی دی جاتی ہے، اپنے رب سے پانے والے بے حساب پاتے ہیں اور بے تحاشا بانٹتے ہیں۔ کمائی والے زیادہ سے زیادہ اُجرتیں حاصل کرتے اور اپنے وابستوں کو عطاء فرماتے رہتے ہیں، ان بے شمار نعمتوں میں سے یہی ایک کیا کم ہے کہ آنکھیں ملتی ہیں، آنکھوں کو بینائی ملتی ہے، بینائی کو تیزی بخشی جاتی ہے، مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کا صدقہ ملتا ہے، اسلام کی بخشی ہوئی تیز نگاہی کی حفاظت کا سرمہ ملتا ہے، دنیا کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ قوموں نے اپنے گردوپیش آگ پانی مٹی ہوا کو دیکھا تو آنکھیں تھک گئیں اور حقیقت تک باریاب نہ ہوسکیں، عقلیں سوختہ ہوگئیں۔ ہوشمندی ڈوب کر مرگئی، انسانی شرافت خاک میں مل گئی اور فہم و فراست ہو ہوگئی۔ آسمان کی طرف آنکھیں اُٹھائیں تو چاند، سورج، ستاروں کے آگے نہ بڑھیں اور چکاچوند ہوکر رہ گئیں۔ یہ آتش پرستی اور گنگا پوجا یہ بت پرستی، یہ ہوائی اوہام نگاہوں کی کمزوریاں نہیں تو کیا بلا ہیں؟ چندرما پوجا، سورج پوجا، گرہن پوجا، اور ستاروں کی پرستش اندھاپن نہیں تو اور کونسی لعنت ہے۔ لیکن اسلام کی تیز نگاہیں اللہ اکبر اتار کو دیکھا اور موثر کا یقین آیا۔ افعال سامنے آئے اور فعالٌ لما یرید کی قدرتیں نظر آنے لگیں، صفات کی تجلیات نے ذات کی طلب پیدا کردی، اجرام فلکیات کے پردے چاک کردیئے۔ استحالۂ خرق والیام کے نظریہ کا استحانہ کردیا اور جاتے جاتے نگاہیں حقیقت تک پہنچ گئیں۔ شیدائے جمالِ کعبہ جس کے ہجر میں آج تک سیہ پوش ہے اور عرشِ اعظم کی پہنائیاں جس کی اب بھی جویاں ہیں اسلامی آنکھ نے لذتِ دید میں سرشار ہوکر اس کو اپنے دل میں رکھ لیا۔

یہ اُس اسلامی تیز نگاہی کی کرامت ہے کہ خواجۂ خلوت کدۂ قبر میں پردہ نشین ہوئے، قبر کو تعویذ قبر نے چھپایا، تعویذ قبر نے غلاف کی چادر اوڑھ لی، ان سب پر گنبد آکر چھا گیا۔ لیکن اسلامی آنکھ کیلئے کسی چھپانے والے نے خواجہ کو چھپالینے میں کامیابی حاصل کی۔ تعویذ قبر پر سر رکھ دینے والوں اور غلاف قبر پر سر رکھنے والے آنکھ والوں سے پوچھو کہ ان سب کا لابس اور قبر کا مقبور کس کو پایا؟ اور اگر پیش نظر نہیں تو کیا اس میں کیا رکھا ہے اور اگر مقبور پر نگاہ نہیں تو قبر میں کیا دھرا ہے۔ یہ وہابیت کا اندھاپن ہے کہ ٹٹولتے ٹٹولتے قبر تک پہنچی تو خاک پتھر کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا اور محرومِ ازلی ہوکر رہ گئی اور اسلام کی تیز نگاہی ہے کہ قبر کو مقبور سے نسبت بخشی۔ کفار کے قبروں کو اُکھاڑ دینے کی اجازت دی کہ کفر و کفار کو کسی احترام کا حق نہیں۔ مومن کی قبر پر اس آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے قدم پاک رکھنا گوارہ نہ فرمایا، جس کے تلووں کے نیچے ایمان والوں کی جنتیں ہیں، تو پھر مقبولانِ بارگاہ کی قبروں کا کتنا بڑا رتبہ ہوا یعنی وہابیت کہتی ہے کہ قبر کو دیکھو اور اسلام کہتا ہے کہ مقبور کو دیکھو۔

یہ تو ہم مسلمانوں کا روزمرہ ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت کے لئے لیا اور پہلے جزدان کو چوم لیا پھر جلد کو چوما اور پھر کھول کر

تلاوت میں لگ گئے۔ یہ جز دان کے کپڑے کو نہیں چوما، یہ جلد کے چمڑے کو نہیں چوما، بلکہ جز دان کے اندر جلد میں چومنے کے قابل چیز ہم کو پہلے ہی سے نظر آ گئی، اس کو چوم لیا، دال کو نہیں چوما مدلول کو چوما، یا مدلوں سے دال کی جو نسبت ہے اس کو چوما۔ ہاں ہاں غلاف قبر کو کوئی نہیں چومتا اس کی اس نسبت کو چومتا ہے جو مقبور سے اس کو حاصل ہے۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں کتنا مقدس مقام اور کس قدر اہم ایوان اور کتنی خاص تاریخ میسر ہے زمان و مکان کی شرافت پوری پوری موجود ہے اور بعونہٖ تعالیٰ اخوان کی شرط بھی موجود ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم گنہگار نہیں، سیہ کار نہیں، خطاء شعار نہیں، لیکن ہاں ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ ہم باغی نہیں ہم غدار نہیں۔

زمانہ میں روشنی کے نام پر الحاد کی تاریک آندھیاں چلیں، دین فروشوں نے دین کے نام کو پیٹ کا دھندا بنایا، کھلے بازار میں ملّت فروشی کی جا رہی ہے، ضمیر فروشی، قوم فروشی کا بلیک مارکیٹ قانون کے زور سے بھی آزاد ہے۔ نام دار العلوم رکھا اور کام دو دیا مندر کا کیا۔ نام پوچھو تو احرار بتائیں اور کام دیکھو تو غلاموں کی غلامی پر اتر آئیں۔ یا رسول اللہ سن کر گھبرائیں اور بندے ماترم کا ترانہ گائیں۔ نعرۂ تکبیر سے اُلجھیں اور اپنے باپو کی جے منائیں۔ مسلمانوں سے بیزار اور مشرکوں کے علمبردار اب تو تہبند کا رنگ ایسا چڑھا ہے کہ پہچاننا دشوار ہے کہ مولوی جی ہیں یا مالوی جی ہیں۔ سب کچھ ہے مگر اے خواجہ تیری خواجگی کے قربان کہ تیرے مست تیرے ہی رہے، تیری تعلیم، تیرے پیغام سے ایک انچ نہ ہٹے چودہ سو برس پرانی لکیر کے فقیر بنے رہے نہ اکثریت کی سرمایہ داری کا جال ان کو پھانس سکا، یہ خواجہ کی دہائی دینے والے، یہ عرس و فاتحہ والے، یہ میلاد و قیام والے، یہ نعرۂ تکبیر و نعرۂ رسالت والے اُسی مقام پر رہے جہاں خواجہ کی کرامت نے اُن کو کھڑا کر دیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ کیسے اچھے سنہرے خواجہ والے، غوث والے اخوان میرے سامنے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارا مقصد بھی بلند پایہ ہے آج ہمارا اجمیر میں وہی مقصد ہے جو چشت کے رہنے والے کو صدیوں پہلے اجمیر ہی لا چکا ہے، جس نے جیلان والے غوث کو بغداد پہنچایا ہے، جس کیلئے اللہ کا حبیب مکہ سے مدینہ اور پھر مدینہ سے فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ پہنچا۔ جس مقصد کا مختصر اور صاف نام خدا کے دین کے پیغام اور اس دینداری کی آزادی ہے۔ ذرہ ذرہ کو مسلم بنانا اور اسلام کے پرچم کو آزاد رکھنا ہے۔ انسان کو پاک کرنا اور انسانی آبادی کو پاکستان بنانا ہے۔

ہمیں اپنے خواجہ سے یہی کہنا ہے کہ زمانہ اب روشنی کی اہلیت و استعداد کو نہیں، بلکہ کیڑے مکوڑوں کی کثرت تعداد کو دیکھتا ہے۔ گوبر، پیشاب والوں کو پوتر اور اللہ کے پاک بندوں کو ملیچھ کہا جاتا ہے، جن غداروں کو زمین پر قدم رکھنے کا حق نہیں، ان کو دیسی اور جن کے لئے زمین پیدا کی گئی ان کو بدیسی کا لقب دیا جاتا ہے۔ فلسطین میں ذلت کے ماروں اور بے مسکن آواروں کو مسلمانوں کے سینہ پر بسایا جا رہا ہے، کعبہ میں فریضہ حق پر ایک ایک ہزار کا ٹیکس لگایا جا رہا ہے۔ انڈونیشیاء کے مسلمانوں پر بے رحمی آزمائی جا رہی ہے اور بڑا غضب یہ ہے خواجہ! کہ آپ کا پڑھایا ہوا کلمہ پڑھتے ہوئے کچھ ملت فروش وستارے کے شملوں کو چوٹیوں پر شلواروں کو دھوتیوں پر، صرف چند ٹکوں کے لئے نچھاور کر چکے ہیں، نہرو انیوں نے دوبارہ اپنا ایک نہرو بنا لیا ہے۔ اب ایک جے پال نہیں بلکہ جے پالوں کی

پلٹن ہوگئی ہے، اوران سب کا مقصد یہ ہے کہ خواجہ والے مسلمان یعنی سنّی مسلمان کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔

اے میرے خواجہ! آپ کے وفاداروں نے آپ کے اللہ اور آپ کے رسول اور آپ کے اخوان اولیاء کے خلاف آوازیں سنے تو نہ گستاخوں کے جبہ و دستار سے ڈرے اور نہ ریش کی آرائش سے مرعوب ہوئے اور صرف اس لیئے ان کو چھوڑ دیا کہ بے اُن کے چھوڑے اے خواجہ آپ کا دامن چھوٹا جاتا تھا جو کسی طرح قابل برداشت نہ تھا، شاید ہماری یہی ایک نیکی کام آئی اور اسی وفاداری پر خواجہ کو رحم آگیا، کیونکہ بلاشبہ ہندوستان میں یہ ولی الہند ہی کی کرامت ہے کہ ہمارے ان رہنماؤں کو بیداری بخشی جن کو رہنمائی کی سند زبانِ وحی سے ملی ہے، اب اُن کی نظر ہماری کمزوریوں پر نہیں، بلکہ اپنے بازوؤں کی قوت پر پڑنے لگی۔ وہ رہنما کون ہیں؟ یہی ہمارے پیر ہمارے علمائے اہلسنّت والجماعت سارے پیر خانقاہ کی چہاردیواری سے نکل پڑے اور میدان میں ڈٹ گئے۔ سارے مدرسوں سے باہر بھی آخر کھڑے ہوگئے اور ارادہ کرلیا کہ نو کروڑ سنیّوں میں روٹھے ہوؤں کو منایا جائے، ان کو مبلغ بنا کر ذمہ داری دی جائے کہ مرنے سے پہلے فی کس دس (۱۰) نہیں تو ایک غیر مسلم کو مسلمان کرنا ہے، ان کو تعلیم دین سے آراستہ کر کے ان کے عمل کو ان کے اخلاق کو پاک کر دینا ہے۔

اب ایسے مدارس ناقابل برداشت ہیں جو سنیّوں کی جیب پر ڈاکے ڈالیں اور سنیّوں کے مفاد سے لڑتے رہیں اور سنیّوں میں انتشار پیدا کریں۔ اب تمام سنّی مدارس کو ایک نظام میں لا کر ان میں تعلیم و تربیت کی یکسانیت پیدا کرنی ہے۔

دارالقضاء، دارالافتاء سب کو مرکزی شان سے چلانا ہے، خانقاہوں کو آراستہ کرنا ہے اور ان میں تبلیغ و تعلیم کی روح پھونکنی ہے۔ المشائخ کلہم کنفس واحدہ کر کے دکھانا ہے۔

یہی علماء و مشائخ اور ان کے برگزیدہ عزائم اور ارادے ہیں جس کا نام آل انڈیا سنّی کانفرنس یا جمہوریت اسلامیہ ہے اور جس میں اس وقت تک صرف علماء و مشائخ کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے، اور اسی سنّی کانفرنس کا آج خواجہ کی چوکھٹ پر جلسہ صرف اپنے خواجہ کے حضور حلف وفاداری اُٹھانے کا ہے۔

میرے سنّی بھائیو! اب ہم پر حجت الٰہیہ ختم ہوچکی اور اگر ہم ان رہنماؤں سے بچھڑ گئے تو میدانِ حشر میں ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ ہمارے جگانے والے پکار رہے ہیں کہ سنیّو جاگو جاگو۔ ہمارے ہوشیار کرنے والے آواز دے رہے ہیں کہ سنیّو ہوشیار، خبردار۔ ہمیں ترقی دینے والے بلا رہے ہیں کہ آؤ بڑھے چلے آؤ حضرت محدثِ اعظم ہند نے ملک کے حالات اہلسنّت کی سیاست پاکستان مسلم لیگ اور سنّی کانفرنس کے موضوع پر خطاب فرما کر..........

(اس کے بعد حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی قبلہ صدر آل انڈیا سنی کانفرنس نے حسب فرمائش اراکین وحاضرین، اس معرکتہ آلارا خطبہ صدارت کے چند انتخابات سنائے جو آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس بنارس میں مقبول خاص وعام ہو چکا تھا اور فرمایا کہ)

میں اپنے سنّی بھائیوں کو آخر میں پُرزور دعوت دیتا ہوں کہ زندگی کی پہلی فرصت میں سنّی جھنڈے کے نیچے آ جائیں، جس کا سبز رنگ قبہ خضراء کی سرسبزی سے ماخوذ ہے، اور جس کا ہلال بدر کامل ہونے کی تڑپ رکھتا ہے، اور جس کی چمک اپنے آغوش میں اُس سبز گنبد کو لیئے ہے جس کے سایہ میں دین اور دنیا کی بھلائی قدرت نے رکھی ہے۔

السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

فقیر ابوالمحامد سیّد محمد غفرلہ اشرفی الجیلانی (صدر آل انڈیا سنّی کانفرنس)